ماہنامہ مجلہ
حیاتِ نو
بلریاگنج

قربانی سرچشمہ قوت

انسان میں جتنی بھی قوت آتی ہے قربانی سے آتی ہے انسان کچھ لے کر نہیں، بلکہ کچھ دے کر غنی تر ہو جاتا ہے وہ جتنا نقصان اٹھاتا ہے اتنا ہی نفع میں رہتا ہے جتنا کھوتا ہے اتنا ہی زیادہ پاتا ہے، درد اس کیلئے سامانِ صحت ہے، قید اس کیلئے ذریعہ آزادی ہے۔ اور مرنا اس کے لیے وجہ حیات ہے۔

(مودودیؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیات نو بلریا گنج

جلد ۱۲ | ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ، مارچ، اپریل ۱۹۹۶ء | شمارہ ۳-۲

بدل اشتراک

سالانہ زر تعاون	۵۰/- روپے
طلبہ کے لئے	۴۰/- روپے
خصوصی زر تعاون	۱۰۰/- روپے
اعزازی زر تعاون	۱۰۰۰/- روپے
غیر ممالک سے زر تعاون	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ	۵/- روپے
اس شمارہ کی قیمت	۱۰/- روپے

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

مدیر
محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر
عبد الباری فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ
۲۷۶۱۲۱

فون نمبر ۲۵۱۱۵ فون کوڈ نمبر ۰۵۴۶۶ ۔ کتابت: محمد اشفاق عالم سقاقی

غزل

عبد الشکور صدا

جو محافظ یہاں آسمان کے ہیں ۔۔۔ وہ بھی دشمن ہماری جان کے ہیں
کارنامے جو عز و شان کے ہیں ۔۔۔ سب وہ ماضی کی داستان کے ہیں
صلح جوئی کا اب مزاج کہاں ۔۔۔ سارے جھگڑے تو آن بان کے ہیں
ان کو طوفاں کا ہوگا اندیشہ ۔۔۔ جو سہارے پہ بادبان کے ہیں
چاہے جس سمت سے وہ آئے ہوا ۔۔۔ تیر سارے اسی کمان کے ہیں
اے صدا اب تو کر لو تیاری ۔۔۔ چند روز اور امتحان کے ہیں

غزل

اختر جلالپوری

دنیا کے مسرت میں آلام بہت ہے ۔۔۔ ملتے ہیں جو راحت کے پیغام بہت ہے
مشکور ہوں صیاد کا جو لایا چمن سے ۔۔۔ گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
موقوف نظر جسکی ہو ہر سود و زیاں پر ۔۔۔ وہ رہرو منزل بھی ناکام بہت ہے
جینا جسے کہتے ہیں ہے صبح مسرت ۔۔۔ اس صبح مسرت کی اک شام بہت ہے
کیا اور تجھے چاہیے اس بزم سخن میں ۔۔۔ اب داد جو مل جائے تو انعام بہت ہے
انسان کیا انسان کے جو کام نہ آئے ۔۔۔ اس عرصۂ گیتی میں بدنام بہت ہے
سو جام کے پینے سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا ۔۔۔ توحید کا مل جائے تو اک جام بہت ہے

آتا ہے مزا حسن تکلم سے تو اختر
ہر بات میں انکے مجھے دشنام بہت ہے

نقوش حیات نو

صفحہ

اداریہ

انتشارِ امت زوالِ امت۔ — محمد اسمٰعیل فلاحی ۲

بحث و نظر

جماعت کی زندگی۔ اسکی کامل یکجہتی۔ — محمد عنایت اللہ اسد سبحانی ۸

مدارس اور مساجد کیلئے سرکار کا سازشی جال۔ — محمد محفوظ فلاحی ۱۰

زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ۔ — عبد البر اثری فلاحی ۲۷

تعارف و تبصرہ

عالم اسلام کی روحانی صورت حال۔ — عبد البر اثری فلاحی ۴۸

شعر و نغمہ

غزلیں — صدا، اختر، ناصر ۳ ٹائٹل

جامعہ کے لیل و نہار

مولانا جلال الدین عمری جامعہ میں۔ — محمد اسمٰعیل فلاحی ۴۹

نئے نائب ناظم جامعہ، عبد البر اثری فلاحی ایس آئی ایم کے صدر۔

محمد نعیم فلاحی ایم فل (اردو) میں اول، انجمن طلبۂ قدیم قطر یونٹ۔

نیا تقرر، فارغین کو الوداعیہ، داخلوں کی تکمیل۔

حلقۂ یاراں — مسیح الزمان فلاحی ۶۲

اداریہ — محمد اسمٰعیل فلاحی

انتشارِ امت زوالِ امت

امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے سیاسی اختلافات شباب پر ہیں۔ روم کا عیسائی بادشاہ موقع سے فائدہ اٹھا کر، امیر معاویہؓ کے نام اپنے ایک خط میں ان سے اظہار ہمدردی کرتا اور حضرت علیؓ کے خلاف فوج کشی کا ارادہ ظاہر کرتا ہے، امیر معاویہؓ کا جواب سنہری حروف میں لکھنے اور سینے سے لگانے کے قابل ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اے عیسائی کتے! تو ہمارے برادرانہ اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یاد رکھ اگر تو نے ایسی حماقت کی تو تیری پیشانی پر ذلت کا داغ لگانے والا علیؓ کی فوج کا پہلا فرد معاویہ بن ابی سفیان ہوگا۔

تاریخ کا بظاہر یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے جسے مورخ زیادہ اہمیت نہیں دیتا اور قاری بھی سرسری نظر سے گذر جاتا ہے لیکن یہ واقعہ ایسا ہے کہ اس پر ٹھہرا جائے اور ڈیرہ ڈالا جائے۔

امیر معاویہؓ کا سیاسی نقطہ نظر اور ان کا طرز عمل ایک طرف، اس سے ہمیں لاکھ اختلاف سہی، لیکن حیرت ہوتی ہے جب یہ واقعہ سامنے آتا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے عیسائی بادشاہ کا ساتھ نہ دیکر جس فراخ دلی اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا ہے کاش وہ ہمارے حصے ہوتے۔ بہرکیف یہ واقعہ فی نفسہ اپنے دامن میں بہت کچھ سامان عبرت رکھتا ہے۔

امام شافعیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک بار عراق میں اعظمیہ سے گذرے جہاں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی قبر ہے، نماز کا وقت ہو گیا اور وہیں احناف کی ایک مسجد میں نماز کیلئے پہونچے، لوگوں نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ امام شافعی ہیں، اور ان کا مسلک

امام اعظم کے مسلک سے مختلف ہے، امامت کیلئے انہیں کو آگے بڑھا دیا۔ امام شافعی نے اپنے مسلک کے بجائے امام اعظم کے مسلک کے مطابق نماز پڑھائی، بعد میں تلامذہ کے استفسار پر جواب دیا کہ "فعلت ذلک ادباً لصاحب ھذا القبر" میں نے ایسا اس قبر والے (یعنی امام اعظم) کے احترام میں کیا۔

اللہ اللہ! یہ وسعت فکر و نظر اور عالی ظرفی!! آج صورت حال یہ ہے کہ ایسے جزوی اور فروعی مسائل جن میں صرف افضلیت کا اختلاف ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایسے امور جن میں صرف ذوق و وضع کا فرق ہے، اسی فرق و اختلاف کو ہی کل دین و ایمان سمجھ لیا گیا ہے اور انہیں کی تشریح و تعبیر میں ساری توانائی صرف کی جا رہی ہے۔ بسا اوقات شعور کی کمی، غلط فہمی یا بے اعتمادی مسائل کو صحیح تناظر میں نہ دیکھنے کے باعث اختلافات پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں اور کبھی اخلاص کی کمی اور مفاد پرستی اختلاف کا سبب بن جاتی ہے۔

دور اول کے مسلمانوں کو اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہر حال میں عزیز تھا اور یہی دراصل ان کی ترقی اور عروج کا راز تھا۔ جوں جوں دور اول سے دوری ہوتی گئی اس صفت میں کمی آتی گئی۔ اختلافات ان میں بھی ہوتے تھے۔ جنگوں کی نوبت بھی کبھی آجاتی، لیکن وہ جاہ و مال اور مفاد کے لئے نہیں تھے۔ انہیں کوئی خرید نہیں سکتا تھا۔ ان کی خدا ترسی اور للہیت کا حال یہ تھا کہ عین میدان جنگ میں حضرت علیؓ ایک دشمن کو پٹخ کر اس کے سینہ پر سوار ہیں اور سر قلم کرنا ہی چاہتے ہیں کہ وہ چہرہ انور پر تھوک کر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتا اور اپنے دل کا غبار نکالتا ہے۔ حضرت علیؓ قتل کرنے کے بجائے اس کے سینہ سے اتر آتے ہیں اور قتل کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں کہ اب اس میں نفس کا غصہ بھی شامل ہو گیا ہے۔

آج پوری دنیا میں امت مسلمہ کے باہمی اختلافات، اختلافات سے آگے بڑھ کر مخالفت، نفرت، کینہ، حسد اور عداوت تک جا پہنچے ہیں۔ ہماری مشکلیں

ہوں، ہماری جماعتیں اور انجمنیں ہوں، ہمارے دینی، ملی، سیاسی، تعلیمی اور مسلکی ادارے ہوں ہر جگہ یہی افسوس ناک صورت حال ہے، ہم ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے کے روادار نہیں۔ اپنے ہی کو حق پر سمجھتے اور دوسروں کو باطل پر۔ ہمارا طرز فکر یہ ہے کہ اخلاص ہمارے یا ہماری جماعت یا ہمارے ساتھیوں کے اندر ہی محدود ہے دین کی خدمت ہمارا ہی حق ہے، جو ہمارے ساتھ مل کر کام کرے وہی دین کی خدمت کرسکتا ہے، جو ہماری ہاں میں ہاں ملائے اچھا آدمی ہے اور جو ہمیں مشورے دے اور ہماری خامیوں کی نشان دہی کرے ہمارا دشمن ہے، ہم سے الگ نہ دین ہے، نہ اخلاص اور نہ ہی کسی کو دین کی خدمت کا حق حاصل ہے، صورت حال اس درجہ دردانگیز ہے کہ ایک ہی جماعت اور ایک ہی ادارے اور مسلک کے افراد مختلف دھڑے بندیوں کا شکار ہیں اور وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ قرآن نے بہت پہلے کہا تھا:۔

...وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا، إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (سورۃ انفال ۴۶)	اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی اور صبر کرو، اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔

قرآن کا یہ فرمان بھی ہمیں یاد نہیں رہا:۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (سورۃ النجم: ۳۲)	تم اپنے کو پاکیزہ مت ٹھہراؤ۔ وہ خوب جانتا ہے اسے جس نے تقویٰ اختیار کیا۔

ہماری اس صورت حال نے ہمیں بڑا نقصان پہنچایا ہے، ہماری پوری تاریخ اس پر گواہ ہے، تاتاریوں کو حملے کی دعوت دینے اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے اسی طرز فکر و عمل کے لوگ تھے۔ محمد بن قاسم اور عبد اللہ بن زبیر کا سر کس نے اتروایا؟ امام احمد بن حنبل کی پیٹھ پر تازیانے کس نے برسائے، سلطان ٹیپو اور سراج الدولہ کی شکست کا سبب کون لوگ بنے؟ اخوانیوں پر تشدد کا پہاڑ

کس کی وجہ سے ٹوٹا ؟ یہ سب اسی ذہنیت کے لوگ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس امت کو باہر سے نقصان کم پہونچا ہے، یہ اپنے تیروں کا نشانہ زیادہ بنی ہے۔ اپنے ملک کو دیکھئے، دینی مدارس میں جائیے، ملی اور سیاسی تنظیموں کا جائزہ لیجئے، ایک ہی مسلک اور طرز فکر کے لوگوں کو دیکھئے، ہر جگہ اونچی اونچی دیواریں نظر آئیں گی، بدگمانیوں اور بے اعتمادیوں کی دیواریں، مسلکی اور گروہی تعصب، تنگ نظری اور نفرت کی دیواریں، جنہیں گرانا یا عبور کرنا آسان نہیں ہوگا۔ ساتھ ہی اتحاد اتحاد کی آواز ہر جگہ ہر ایک کی زبان پر ہوگی، لیکن اپنے مفے دیرینہ نشین رکھ کر اور اپنے کو رعایت دے کر، اتحاد اتحاد کا نعرہ لگانے سے کیا اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ اس کے لئے قربانیاں درکار ہیں۔ اپنے خول سے نکلنا اور ان فصیلوں کو ڈھانا ہوگا جو ہم نے اپنے اردگرد کھڑی کر لی ہیں اور اپنے ہی کو برسرحق، مخلص اور دین کا خادم سمجھنے کے بجائے دوسروں کو بھی یہ حق دینا ہوگا، اختلاف نہ رہے، لوگ بالکل ایک جیسے ہو جائیں۔ فکر و نظر اور کردار و عمل ہر اعتبار سے، یہ نہ ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ اللہ نے ہر ایک کی فطرت، ہر ایک کا مزاج، ہر ایک کا علم، ہر ایک کی عقل، ہر ایک کی قوت برداشت اور صلاحیت ایک جیسی نہیں بنائی، اس میں تفاوت رکھا ہے، یہ ختم ہونا ممکن ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ اختلاف مخالفت اور عداوت کا سبب نہ بنے، اختلاف ہو لیکن آداب اور حدود کے ساتھ، دوسروں کی نیت پر حملہ نہ کرے، ان کی عزت نفس کا خیال رکھ کر اور ان کا جائز حق تسلیم کرتے ہوئے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ زوال امت کا ایک اہم سبب انتشار امت ہے۔ اس انتشار کو دفع کرنے کیلئے قرآن مجید یہ اصولی ہدایت دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ	اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار
تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم	کرو جیسا اس کا حق ہے اور تمہیں ہرگز

مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔

(سورۃ آل عمران: ۱۰۲، ۱۰۳)

موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ اختیار نہ کرو۔

یہ اللہ کی رسی قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کی رو سے ہمارا مقصدِ زندگی اللہ کی عبادت (اپنے کامل معنی میں) اور اس کے دین کی شہادت ہے، یہاں تک کہ نماز اور قربانی، زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہو جائے۔ نبی اکرمؐ نے اس سلسلہ میں ہمیں ایک تھرما میٹر دیا ہے جس سے ہم اپنے اندرون کو جانچ سکتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے

من احب للّٰہ و ابغض للّٰہ و اعطی للّٰہ و منع للّٰہ فقد استکمل الایمان

جس نے اللہ کیلئے محبت کی اور اللہ کیلئے دشمنی کی اور اللہ کیلئے دیا اور اللہ کیلئے محروم کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس حدیث کی روشنی میں اپنا جائزہ لیتے رہیں تو یقیناً ہمارے اندر اتحاد پیدا ہو سکتا ہے اور ہم اس تنزل سے نکل کر ترقی کی راہ پہ گامزن ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

بقیہ: تعارف و تبصرہ

اسباب ہیں مثلاً خود بشری کمزوریوں کا بھی دخل ہے وغیرہ بہر صورت کتاب انتہائی گراں قدر اور مفید ہے اہل علم کو اسے ضرور پڑھنا چاہیے۔ خصوصاً علماء کرام اور قائدین امت کو۔

جماعت کی زندگی ۔ اسکی کامل یکجہتی

محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

فورم برائے جمہوریت و فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا موضوع ایک ایسا موضوع ہے جو عرصہ دراز سے تحریک اسلامی کے ایک بڑے حلقے میں شدید بے چینی کا سبب بنا ہوا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو سمجھا بجھا کر تھوڑی دیر کیلئے مطمئن کر لیتے ہیں۔ مگر کچھ ہی وقت گزرتا ہے کہ دل میں زور کی ایک ٹیس اٹھتی ہے۔

کہاں ہوں میں! کہاں ہے میری منزل! یہ کن راہوں میں کھو کر رہ گیا ہوں؟

تحریک اسلامی کا ایک بڑا حلقہ ہے جو اسی قسم کی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے، جبکہ ایک دوسرا حلقہ ہے جو فورم کے سلسلے میں زیادہ پرامید نظر آتا ہے اور اسے تحریک کے حق میں فال نیک سمجھتا ہے۔

بلاشبہ ذمہ داران جماعت نے اس صورت حال کے پیش نظر پورے ملک کے دورے کئے اور ارکان وکارکنان جماعت کو اس معاملے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اسکی تفہیم کیلئے کئی کئی روزہ نشستیں رکھیں۔ لیکن اسکے باوجود صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اختلاف کرنے والے اپنے اختلاف پر قائم رہے۔ اور جو اس سے اتفاق رکھتے تھے وہ فورم کا دائرہ وسیع کرنے اور اسکے ہمنواؤں کی تعداد بڑھانے کی مہم چلاتے رہے۔

یہ فورم اصولی طور سے صحیح ہے یا غلط؟ اسکے پیچھے جو محرکات کام کر رہے ہیں، وہ کہاں تک قابل لحاظ ہیں؟ فرقہ وارانہ منافرت یا فسطائیت کو روکنے کیلئے جو نسخہ تجویز کیا گیا ہے وہ کس حد تک کارگر اور نتیجہ خیز ہے؟

یہ سوالات اس سلسلے کے بہت ہی اہم سوالات ہیں، اور جب تک

ان کا تشفی بخش جواب نہ مل جائے۔ اس راہ میں ایک قدم چلنا بھی صحیح نہیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس فورم میں کوئی قباحت یا کوئی قابل اعتراض پہلو نہیں ہے۔

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ بہت ہی خوش آئند اور لائق تحسین اقدام ہے، لیکن کیا کسی تنظیم یا تحریک کے لئے اس طرح کا کوئی اہم قدم اٹھانے کیلئے بس اتنی بات کافی ہوا کرتی ہے کہ وہ چیز اچھی اور نفع بخش ہو؟

کیا اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ارکان جماعت کا مکمل اعتماد حاصل کیا جائے؟ تحریک کے اندر جو دوسرے اصحاب علم و فہم ہیں، انہیں بھی اس کے سلسلے میں شرح صدر حاصل ہو؟ اگر ان کے درمیان اس معاملے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، تو اس وقت تک کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جائے، جب تک وہ اختلاف رفع نہ ہو جائے۔ اور تمام لوگ شانہ سے شانہ اور قدم سے قدم ملا کر چلنے کیلئے آمادہ نہ ہو جائیں۔

کیا جماعت نے فورم کی تشکیل سے پہلے جماعت کے تمام اہل علم و فضل حضرات کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی؟

کیا اس سلسلے میں ارکان و کارکنان تحریک کو جو الجھنیں ہیں، انہیں دور کرنے کی کوشش کی؟

عملاً جو چیز سامنے آئی وہ یہ کہ پہلے تو دو ٹوک انداز میں ایک فیصلہ کر لیا گیا، اور پھر یہ مہم چلائی گئی کہ ارکان و کارکنان کو اس کیلئے ہموار کیا جائے۔

ہموار کرنے کے لئے جو مجالس منعقد کی گئیں، ان میں بھی تفہیم و توضیح اور علم و استدلال سے زیادہ حکم اور تحکم یا منت اور خوشامد کا انداز رہا۔ اور جب ان مجالس سے ذہن ہموار نہ ہو سکے جس کا پہلے سے ہی اندیشہ تھا تو یہ شکوہ کیا گیا کہ ارکان کے اندر سمع و طاعت کا فقدان ہے۔ مرکزی مجلس

شوریٰ نے ایک فیصلہ کیا ہے، اس فیصلے کا لوگ احترام نہیں کر رہے ہیں۔

اس موقع پر میں بصد ادب یہ عرض کروں گا کہ ارکان کے سلسلے میں عدم سمع وطاعت کا شکوہ کرنے سے پہلے ذمہ داران جماعت کو چند نہایت اہم حقیقتیں اپنے سامنے رکھنی چاہئیں:

(۱) پہلی چیز یہ کہ کسی تحریک یا کسی جماعت کے اندر مجلس شوریٰ کی حیثیت کیا ہوا کرتی ہے؟

مجلس شوریٰ کا مطلب صرف یہ ہوا کرتا ہے کہ چونکہ ہر ہر معاملے میں تمام اہل علم ارکان سے رابطہ قائم کرنا اور ان کی رائیں معلوم کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا ایک نمائندہ کمیٹی بنادی جاتی ہے تاکہ امیر یا سربراہ کیلئے بوقت ضرورت ان سے مشورہ کرنا یا انکی مدد حاصل کرنا ممکن ہو سکے۔

خود جماعت اسلامی کے اندر مرکزی مجلس شوریٰ کی تقریباً یہی حیثیت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ دستور کی دفعہ ۲۹ میں مذکور ہے۔

"امیر جماعت کی امداد اور مشورے کے لئے ایک مرکزی مجلس شوریٰ ہوگی جس سے امیر جماعت ان تمام اہم معاملات میں مشورہ لے گا جو مختلف فیہ ہو سکتے ہوں یا جن کا جماعت کی پالیسی یا اسکے نظم پر قابل لحاظ اثر پڑتا ہو" (دستور ص ۱۹)

اب اگر کوئی ایسا موقع آجاتا ہے کہ مجلس شوریٰ ایک فیصلہ کرتی ہے اور دوسرے ارکان کی ایک بڑی تعداد جو اہل الرائے اور اہل علم و بصیرت پر مشتمل ہے، اس سے اتفاق نہیں کرتی، تو اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ مجلس شوریٰ سے آگے بڑھکر عام ارکان کی رائے معلوم کیجائے، اور جب تک کوئی ایسی صورت نہ نکل آئے کہ پوری جماعت یا کم از کم جماعت کی بہت بھاری اکثریت اس پر متفق ہو جائے، اس وقت تک اس فیصلے کو زیر غور

رہنے دیا جائے۔

یہ بات کہنی صحیح نہیں ہے کہ مرکزی مجلس شوریٰ کا ہر فیصلہ پوری جماعت کیلئے واجب التسلیم ہے، نہ یہ بات کہنی صحیح ہے کہ شوریٰ کے فیصلے پر شوریٰ ہی نظرثانی کرے گی۔ اور اگر وہ نظرثانی کے بعد بھی اسی فیصلے پر قائم رہتی ہے تو پھر پوری جماعت اسکی پابند ہوگی۔

(۲) دوسری چیز یہ کہ کسی رکن جماعت کے سمع وطاعت کا امتحان وہاں ہوتا ہے جہاں معاملے کی شرعی حیثیت دو دو چار کی طرح واضح ہو۔ اور تعمیل حکم یا امتثال امر میں بس سستی کوتاہی، خود غرضی، مفاد پرستی، بزدلی جیسی کمزوریاں حائل ہوں۔

لیکن اگر صورت حال اس کے برعکس ہو۔ یعنی اس فیصلے کو قبول کرنے میں تامل کی وجہ بزدلی یا مفاد پرستی وغیرہ نہیں، بلکہ جہاد وعزیمت ہو، یہ احساس ہو کہ ہم نے پہلے جو راہ عزیمت اختیار کی تھی، اس سے اب ہٹ رہے ہیں، ہم نے اب تک جو سبق پڑھا تھا، اور جس کیلئے سب کچھ داؤ پر لگا دینے کا فیصلہ کیا تھا، یہ نیا سبق اس سے بالکل ہی مختلف ہے۔

اگر کسی فیصلے میں تردد اس وجہ سے ہے تو یہ سمع وطاعت کی کمی نہیں بلکہ یہ اپنے نصب العین کا گہرا شعور اور تحریک سے جذباتی لگاؤ اور قلبی محبت ہے، جس پر ذمہ داران جماعت کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اس وصف کو اپنی جماعت میں اور زیادہ پروان چڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۳) تیسری چیز یہ کہ کسی جماعتی فیصلے کی تفہیم کا تعلق عام لوگوں سے ہوا کرتا ہے۔ جنکی کوئی علمی اور فکری سطح نہیں ہوتی۔ یا جو خود کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

رہے ذی علم اور اصحاب فہم وبصیرت حضرات، تو انکی تفہیم نہیں کرائی

جاتی بلکہ انکی رائیں معلوم کیجاتی اور ان سے مشورے لئے جاتے ہیں۔

گویا کسی جماعتی فیصلے کی تفہیم کا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب جماعت کے تمام اہل علم اور اصحاب رائے کسی فیصلے پر متفق ہو چکے ہوں۔

لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، یعنی تمام اہل علم کو مطمئن کئے بغیر یا انہیں اپنے اعتماد میں لئے بغیر عام ارکان کی تفہیم شروع کر دی جائے۔ جیسا کہ فورم کے مسئلے میں ہوا، تو یہ تفہیم کبھی بھی مفید اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، بلکہ مزید الجھنوں اور پیچیدگیوں کا باعث ہوگی جو جماعت کیلئے سخت نقصان دہ ہوگی۔

آج فورم کے نام سے جماعت میں جو بھی سرگرمیاں جاری ہیں، علماء کی ایک بڑی تعداد ہے جو اسے ناپسند کرتی، اور اس سے برأت کا اعلان کرتی ہے۔

مثال کے طور پر جماعت کے اندر فکری اور علمی لحاظ سے آج سب سے زیادہ وقیع، موثر اور مقتدر شخصیت مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی مدظلہ العالی کی سمجھی جاتی ہے۔ مولانا موصوف کے بارے میں شخصی طور سے ہمیں معلوم ہے کہ فورم کے تعلق سے جماعت کی جو سرگرمیاں اور دلچسپیاں ہیں، ان سے وہ کبیدہ خاطر اور سخت نالاں ہیں۔

ابھی جلد ہی کی بات ہے، ۱۵ر مارچ ۱۹۹۵ء کو جامعۃ الفلاح سے ایک وفد مولانا محترم سے ملنے کے لئے ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا۔ اس وفد میں جامعۃ الفلاح کے چار نمائندے تھے، جن میں راقم الحروف کے علاوہ مولانا نعیم الدین اصلاحی مولانا محمد عمران فلاحی اور ایک اور استاذ جامعہ تھے۔ ساتھ میں حیدرآباد سے آئے ہوئے دو مہمان بھی تھے۔ ایک تھے جناب عزیز اللہ خاں صاحب، اور دوسرے تھے جناب امجد صاحب سول انجنیر۔

اس وفد نے مولانا محترم سے مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ ان متنوع موضوعات میں ایک موضوع فورم برائے جمہوریت و فرقہ وارانہ ہم آہنگی بھی تھا۔

جناب عزیز اللہ خاں صاحب نے مولانا محترم سے عرض کیا ؟

"ہم لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ آپ بھی فورم کی تائید میں ہیں۔ اور آپ کا حوالہ دیکر مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم لوگ بھی اس کی سرگرم حمایت کریں۔

مولانا محترم یہ بات سن کر کچھ آبدیدہ سے ہو گئے اور نہایت کرب کے عالم میں فرمایا:

"یہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، بالکل جھوٹ ہے۔ میری طرف یہ بات جو بھی منسوب کرتا ہے، وہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے۔ اس طرح کی بات جہاں بھی آئے آپ فوراً اس کی تردید کریں"

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ روایت بالمعنی نہیں، بلکہ روایت باللفظ ہے۔ یعنی ان الفاظ میں جو شدت اور حدت ہے وہ مولانا اصلاحی کے اندرونی کرب کی عکاسی کر رہی ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ عام ارکان جماعت اس فیصلے کو قبول کر لیں گے یا اس کا بخوشی خیر مقدم کریں گے؟

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک مسئلہ جس کے سلسلے میں بڑے بڑے ذی علم ارکان کو مطمئن نہیں کیا جا سکا، جس کے سلسلے میں "اساس دین" اور "فریضہ اقامت دین" کے مصنف کو اعتماد میں نہیں لیا جا سکا، اس کے سلسلے میں یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ عام ارکان جماعت اس کے لئے یکسو ہو سکیں گے، اور سمع وطاعت کی سابقہ روایات برقرار رکھتے ہوئے اس معاملے میں بھرپور تعاون پیش کریں گے۔

ذمہ داران جماعت کو چاہئے کہ صورت حال کی نزاکت کو پوری شدت سے محسوس کریں، اور اس سلسلے میں ذہنوں میں جو اضطراب ہے، اسے قطعاً نظرانداز نہ کریں۔

ہلکا سا یہ اک فرق دلوں میں جو پڑا ہے پچھتاؤ گے اس زخم کو گہرا نہ سمجھ کر

اصولی طور سے یہ بات ہمیشہ سامنے رکھیں کہ کوئی اچھے سے اچھا فیصلہ بھی اپنے اندر خیر و برکت کا کوئی پہلو نہیں رکھتا، اگر جماعت کا اجتماعی ذہن اور اجتماعی ضمیر اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔

کسی تحریک کیلئے سب سے بنیادی چیز اس کی ٹھوس اجتماعیت اس کا داخلی استحکام، اس کی یکجہتی اور یکسوئی، اس کا ذہنی اطمینان اور قلبی اذعان ہوا کرتا ہے۔

کوئی بھی فیصلہ یا کوئی بھی اقدام جو ان بنیادی امور کو متاثر کر رہا ہو، جماعت کیلئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ جماعت کی زندگی ہے اس کی کامل یکجہتی، کلی ذہنی یکسوئی اور مکمل ہم آہنگی، اگر یہ چیز نایاب ہو جائے تو پھر اس جماعت سے کسی انقلابی عمل یا انقلابی کردار کی توقع رکھنا خام خیالی ہے۔

کسی بھی فکری یا نظریاتی معاملے میں ارکان جماعت سے فیصلے کی زبان میں گفتگو کرنا صحیح نہیں۔

جماعتی استحکام اور جماعتی یکسوئی کو برقرار رکھنے کیلئے مجلس شوریٰ کے فیصلے تو تبدیل کئے جا سکتے ہیں، اور یقیناً تبدیل کئے جانے چاہییں، لیکن شوریٰ کے فیصلوں کو نافذ کرنے کیلئے جماعتی یکسوئی اور جماعتی استحکام و استقرار کو داؤ پر لگانا غلط ہے۔

اس طرح کی غلطیاں پہلے بھی ہوئی ہیں اور آج بھی ہو رہی ہیں، جسکے تلخ نتائج سامنے ہیں۔

ذمہ داران جماعت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہمیشہ یہ بھانپتے اور سونگھتے رہیں کہ جماعت کے اندر کہیں ذہنی خلش یا فکری انتشار تو نہیں پایا جا رہا ہے؟

اور اگر کہیں اسکی بو بھی محسوس ہو تو اسے دور کرنے کیلئے بے چین ہو جائیں وہ اس شجر خبیث کے پہلے انکھوے کو ہی توڑ دیں، تاکہ اس کے سایہ خبیث سے آئندہ محفوظ رہ سکیں۔

اور اگر کہیں یہ صورتِ حال ہو جائے کہ لوگ اپنی ذہنی خلش اور ذہنی بے اطمینانی کا برملا اظہار کرنے لگیں، اپنے روزناموں اور ماہناموں میں اس پر مستقل کالم لکھنے لگیں، اور اس حد تک کہنے لگیں کہ یہ فوجِ ظفر موج نہیں، جماعت اسلامی کا تابوت ہے تو اس وقت تو ذمہ داران جماعت کی آنکھوں سے نیند اڑ جانی چاہیئے۔ ان کے منہ کا ذائقہ تلخ ہو جانا چاہیئے۔ اور انہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سب سے پہلے اپنے رفقاء وارکان کو اعتماد میں لینے کی سعی کرنی چاہیئے۔ کہ یہ باہمی اعتماد ہی کسی تحریک کی جان اور اسکی کامیابی کا نشان ہوا کرتا ہے۔

ایک ہوشمند قیادت ہر چیز قربان کر سکتی ہے، مگر اسے قربان کرنے کا تصور نہیں کر سکتی۔

اگر شراب کی صراحی نہیں، روح افزا کی بوتل آپ کے ہاتھ میں ہے، اور آپ کے ساتھی اسے پسند نہیں کرتے، تو اس بوتل کو بھی بے تکلف نالی میں پھینک دیجیئے۔ محض اس اندیشے سے کہ آپ کی صفوں میں کہیں کوئی بے چینی نہ پیدا ہو جائے۔ اور کہیں شیطان کو رخنہ اندازی کا موقع نہ مل جائے۔ آپ روح افزا کے جامِ پر کیف کے بجائے سادہ پانی کے گلاس پر ہی اکتفا کیجیئے۔

لیکن فرض کیجیئے معاملہ روح افزا یا روح افزا جیسی کسی صاف ستھری اور صحت بخش چیز کا نہیں ہے، بلکہ جو جام آپ کے سامنے رکھا ہے، اس کی پاکی ہی میں اختلاف ہے، اور اس کا پاکیزہ وصحت مند ہونا بہتوں کے نزدیک مشکوک ہے، تو چاہے وہ جام آپ کے نزدیک پاکیزہ وصحت مند سہی، لیکن اسے ہاتھ نہ لگایئے، چہ جائیکہ آپ اس پر اصرار کریں۔ اور اگر آپ اسے ہاتھ لگاتے ہیں تو یہ جماعت کیلئے کسی اچھائی کی علامت نہ ہو گی۔

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیجیئے کہ جماعتیں ہمیشہ نصف النہار کی روشنی میں چلا کرتی ہیں۔ صبح کا دھندلکا یا شام کا کہرہ انہیں کبھی راس نہیں آیا۔

جماعتوں کے نظریاتی فیصلے کثرت رائے سے نہیں، اتفاق رائے سے ہوا کرتے ہیں۔ اتفاق رائے سے مراد ارکان شوریٰ کا اتفاق نہیں، بلکہ ارکان جماعت یا علماء جماعت کا اتفاق ہے۔

اگر جماعت کو اپنی قیادت کی حکمت و فراست اور فہم و بصیرت پر اس درجہ اعتماد ہے کہ اس کا کوئی بھی فیصلہ پوری جماعت کے شرح صدر اور اطمینان خاطر کیلئے کافی ہے، جیسا کہ اسلامی تاریخ میں خلیفہ اول یا خلیفہ دوم کا حال تھا، یا جیسا تحریکات کی تاریخ میں اخوان المسلمون کے اندر امام حسن البنا شہید کو یہ مقام حاصل تھا۔

اگر صورت حال اس طرح کی ہے تب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، اور اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی اہم سے اہم تر معاملے میں عام استصواب کرایا جائے۔

لیکن اگر صورت حال یہ نہ ہو، یعنی قیادت یا امارت کو اپنی جماعت کے اندر اس درجہ کا اعتماد نہ حاصل ہو، اور کسی بھی اہم معاملے میں اختلاف و انتشار اور دو لختی یعنی کا خطرہ موجود ہو تو ایسی صورت میں وسیع سے وسیع تر دائرے میں لوگوں کی رایوں کا معلوم کرنا اور اس کی روشنی میں فیصلہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ جماعت کی یکجہتی برقرار رہے، اور اس کی صفوں سے اس طرح کی آوازیں نہ اٹھنے لگیں کہ

منزل تو کجا یہ بھی ابھی طے نہیں پایا بھٹکا ہوا رہبر ہے کہ بھٹکے ہوئے ہم ہیں

ارکان جماعت سے کسی ایسے کام کا مطالبہ کبھی نہ کیجئے جہاں نظریے یا عقیدے کا مسئلہ سامنے آرہا ہو، اور اس پر انہیں شرح صدر نہ حاصل ہو۔

ہاں اگر آپ اس کام کو ضروری ہی سمجھتے ہیں تو اسے شروع کرنے سے پہلے اسکی اہمیت اور افادیت کا انہیں قائل کیجئے۔ اور جب تک قافلے کا ایک ایک ساتھی قائل نہ ہو جائے صبر سے کام لیجئے، اور اللہ تعالیٰ سے استعانت کیجئے۔ اللہ بہترین کارساز اور صالحین کا مددگار ہے۔ ھو مولاکم فنعم المولیٰ و نعم النصیر۔ (۲۰ مارچ ۱۹۹۵ء)

مدارس اور مساجد کیلئے سرکار کا سازشی چال

محمد محفوظ فلاحی

۲۴ رجون کی رات ٹی وی اسکرین پر اچانک اور غیر متوقع طور پر خبریں سنتے ہوئے ایک منظر سامنے آیا کئی باریش اور عماموں میں ملفوف علماء اور ائمہ وزیر اعظم نرسمہا راؤ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں۔ حکومتی مشنری کے ذریعہ قائم کردہ کل ہند تنظیم "ائمہ مساجد" کے صدر مولانا جمیل احمد الیاسی وزیر اعظم کو شال اوڑھا رہے ہیں۔ نہ معلوم یہ علامتی شال، تحفظ کے حصول کیلئے تھا یا وزیر اعظم کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے وزیر اعظم کو اتنے پر تپاک انداز میں ملتے ہوئے یا تو سادھو سنتوں سے دیکھا گیا ہے یا اب کچھ دنوں سے تنظیم ائمہ مساجد کے ذمہ داروں سے۔ یہ کرم اور مہربانی بابری مسجد کی شہادت کے "کارنامے" کے بعد کچھ بڑھ گئی ہے۔ تنظیم ائمہ مساجد کے ذمہ داروں کی وزیر اعظم سے ملاقاتوں کا سلسلہ اماموں اور موذنوں کی تنخواہوں میں اضافہ کے سلسلے میں ہے۔ اس سلسلے میں عدالت بھی فیصلہ کر چکی ہے۔ اب حکومت کو الیکشن کا انتظار ہے کہ اس دوران حکومت کی اس مہربانی کی تشہیر بھی ہو اور عین الیکشن کے وقت اگر صورتحال حق میں نظر آئے تو وہ اس فیصلے کو نافذ کرے۔

مسلمانوں کے حقیقی نمائندہ ادارہ مسلم پرسنل لاء بورڈ نے شروع سے حکومتی عدالتی اور مذکورہ تنظیم کے علماء اور ائمہ کے اس اقدام کو نامناسب تصور کیا ہے ۱۰ رجون کو دہلی میں منعقدہ عاملہ کے اجلاس میں اس اہم مسئلہ پر جس کا تعلق پوری امت تمام علماء اور ائمہ سے ہے، بورڈ نے دو ٹوک اور واضح موقف اپناتے ہوئے ایک قرارداد پاس کی۔ انہیں کہا کہ "سرکار کی طرف سے اماموں اور موذنوں کو تنخواہوں کی ادائیگی غلط ہے۔ بورڈ کا خیال ہے کہ اسطرح مدارس اور مساجد میں سرکار کا

مداخلت بڑھے گی۔ اماموں اور موذنوں کی تقرری، تبادلے اور برخاستگی کا سرکار کو اختیار حاصل ہو جائے گا اور سرکار اماموں کو دیگر سرکاری کام کاج میں ڈیوٹی پر لگائے گی" یہ فیصلہ انتہائی دوررس اثرات کا حامل اور دانشمندانہ ہے۔ یہ کہنا مبنی برانصاف ہوگا کہ موقراداروں کے سربراہوں، علماء اور دینی تنظیموں نے اس فیصلے کے ذریعہ مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی اور تاریخی روایات کی حفاظت کا سامان کیا ہے۔

تنظیم ائمۂ مساجد نے ۲۰ رجون کو ایک پریس ریلیز کے ذریعہ بورڈ کے مذکورہ فیصلے کو افسوسناک قرار دیا اور اگلے روز ایک خود ساختہ گمنام کاغذی تنظیم آل انڈیا اسلامک کونسل نے بھی اس فیصلے کو غلط بتایا۔

حکومت کے کسی ارادے اور اقدام کے بارے میں حسن ظن کی کوئی تو وجہ ہونی چاہیئے۔ جس حکومت نے ابھی تک مسلمانوں کے تعلق سے دورخی اور مسائل کو الجھانے والی پالیسی اختیار کر رکھی ہے کیا اسکے کسی 'خیر خواہانہ' اقدام کو محض اس لئے آنکھ بند کر کے صحیح سمجھ لیا جائے کہ اس اقدام کی حمایت چند گمنام اور غیر نمائندہ علماء سور کر رہے ہیں؟ اسی حکومت نے دینی شعار اور مسلم تہذیب و ثقافت کی علامات کو کھرچ کر پھینکنے کی کوشش کی۔ اسی حکومت نے بابری مسجد کو بیدردی کے ساتھ شہید کرنے میں تعاون دیا۔ اور آج اسی حکومت کی وجہ سے اس مقدس جگہ پر ناپاک مندر موجود ہے۔ اسی حکومت کے ذریعہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے جذبات اور اقدامات کو کچلنے کیلئے بڑی سرعت کیسا تھ ٹاڈا جیسے جابرانہ قانون کو حرکت میں لایا گیا۔ اسی حکومت نے دستوری تحفظات کو نظرانداز کر کے کئی مرتبہ پارلیمانی اور عدالتی راہوں سے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی کوشش کی۔ اس حکومت نے آج تک اس بات کی گنجائش نہیں رکھی کہ مسلمان اپنے مذہب، تہذیب و ثقافت اور زبان سے جڑ سکیں جبکہ دستور نے انہیں ایک تہذیبی، ثقافتی اور

لسانی اکائی تسلیم کر کے اپنے مذہب، تہذیب اور زبان کو بچانے اور اسے فروغ دینے کا حق دیا تھا۔ ہندوستان کی واحد اردو عثمانیہ یونیورسٹی جو لسانی اور تہذیبی تحفظ کے دستوری وعدہ کو نبھانے کا امتحان تھی، اس کے لسانی اور تہذیبی کردار کو ختم کر دیا۔ تہذیب و ثقافت کے مرکز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تہذیبی کردار کے خاتمہ کی مہم آج تک جاری ہے۔ ایسے حالات میں حکومت کو نیک نیت سمجھنا ایک ایسا قدم ثابت ہوگا کہ جو کچھ ہمارے نظام اور تاریخی کردار نے باقی رکھ چھوڑا ہے وہ بھی ہم ان ہمدردان کے حوالہ کر دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھارت میں حکومت کی دست برد سے مسلمانوں کا جو کچھ بچ سکا ہے وہ مدارس اور مساجد ہیں۔ یہاں آج بھی وہ شمعیں روشن ہیں جنکی کرنوں سے مسلمانوں کی زبان، تہذیب اور ثقافت کسی حد تک محفوظ ہے۔ ان قلعوں کو حکومت اپنی شدید خواہش اور کوشش کے باوجود مسمار نہیں کر پا رہی ہے۔ یہاں وہ چنگاریاں دبی ہوئی ہیں۔ جو حکومت کی ہر طرح کی کوششوں کو خاکستر کرنے کی قدرت رکھتی ہیں۔ امت مسلمہ کی موجودہ ادارہ جاتی شیرازہ بندی اگر کسی حد تک باقی ہے تو مساجد میں بچوں کیلئے مکاتب، ائمہ کے عوام سے روابط، خطبات جمعہ کے ذریعہ عوام کی دین سے وابستگی کی کوشش اور مدارس کی شکل میں تعلیم کے متوازی نظام کی وجہ سے ہے۔ اور اس شیرازہ بندی میں مخلص علماء کا اہم رول ہے۔ حکومت اس شیرازے کو توڑ کر اپنے مقاصد کے حصول کے لئے منفذ (نفوذ کا دروازہ) بنانا چاہتی ہے۔ مدارس کی امداد اور ائمہ کی تنخواہوں کیلئے حکومت نے ۳۰۰ کروڑ روپے کا بجٹ مختص کیا ہے۔ یہ اصلاً مدارس و مساجد کو 'قومیانے' کی پالیسی ہے۔ سابق وزیر انسانی وسائل ارجن سنگھ نے تقریباً ایک سال قبل پریس کانفرنس میں اس بات کا اعلان کیا تھا کہ مدارس میں دہشت گردی پنپ رہی ہے۔ حکومت ان مدارس کو امداد دیکر 'قومی دھارے' میں شامل کرنیکا پلان رکھتی ہے۔ علماء مدارس

نے بڑی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اول مرحلے میں ہی اس تجویز کو مسترد کر دیا اور انہوں نے اپنے باوقار اور تاریخی کردار کو اس پرفتن دور میں بھی نبھانے کی کوشش کی ۔

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اس امت میں ایسے علماء، حفاظ اور ائمہ حکومت کو مل گئے ہیں جو وزیر اعظم کے دربار میں کشکول گدائی لیکر بار بار نظر آتے ہیں۔ میڈیا کا فراخدلانہ کوریج کو جگہ دینا بھی ان نام نہاد نمائندہ افراد کے لئے وقف ہے۔ حکومت اور میڈیا کی مذموم کوشش یہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نمائندہ کردار اور جرأت مندانہ اقدامات پر روک لگانے کیلئے علماء اور ائمہ کو مدمقابل لا کھڑا کیا جائے۔ اس طرح جاہل اور عام مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں ڈال کر اپنے مقاصد حاصل کئے جائیں۔

حکومت کی دوغلی اور مختلف جہات رکھنے والی پالیسی ہمیشہ واضح ہوتی ہے۔ ایک طرف جبر و اکراہ، دوسری طرف تحفظات و مراعات اور تیسری طرف سازش۔ انگریزوں کا دور غلامی اس پر شاہد ہے کہ ایک طرف انہوں نے سید احمد شہید کی انقلابی اور اصلاحی تحریک کو کچلنے کیلئے جبر و اکراہ کی پالیسی، پیاپی اور پیہم فوجی کاروائیوں اور مقدمات سازش کے ذریعہ محاذ جنگ اور بیس کیمپ دونوں کو تباہ کر دیا دوسری طرف ۱۸۵۰ء کے چارٹر کے ذریعہ "حقوق و تحفظات کا اعلان نامہ" پیش کیا۔ تیسری طرف مشرقی ہند اور بنگال کے علماء کے ذریعہ فتوے حاصل کرکے تحریک اصلاح و انقلاب کا رابطہ عوام سے کاٹ دیا۔ اور اس تحریک کو بالآخر شکست سے دوچار کر دیا۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی حقیقت امت مسلمہ کے حقیقی نمائندہ ادارہ کی ہے ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن برائے تحفظ قوانین شریعہ عروس البلاد بمبئی میں منعقد ہوا۔ یہ امت مسلمہ کا بھرپور نمائندہ کنونشن تھا جسمیں امت کی تمام

مقتدر شخصیتیں، معروف ادارے، مشہور تحریکیں اور تنظیمیں اور سیاسی وسماجی کارکنان
شریک تھے۔ اس کنونشن میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ اسی کنونشن
کی مہم اور فیصلوں نے ایک طرف پارلیمان اور ریاستی اسمبلیوں کے یونیفارم سول کوڈ
کی جانب قانون سازی کے اقدام کو روک دیا اور دوسری طرف حکومت کے ایجنٹ
چھاگلہ اور   دلوائی کو امت کے اندر اچھوت بنا دیا۔ اسی مسلم پرسنل لا بورڈ
کی قیادت میں خلافت تحریک کے بعد اس صدی کی دوسری عظیم ترین کامیاب
مسلم عوامی تحریک، تحریک تحفظ شریعت، برپا ہوئی۔ اس تحریک نے پارلیمنٹ
سے مطلقہ بل پاس کروا کے عدالت و حکومت کی دین و شریعت میں مداخلت
کو ناکام بنا دیا۔ اس تحریک کو یہ قوت اور عوامی رخ مدارس کی قائدانہ شمولیت اور مساجد
کے مرکز عمل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ بابری مسجد کے مسئلہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ
کے جرأت مندانہ اور حقیقت پسندانہ شرعی موقف نے حکومت کی ایک دوسری سازش
کو ناکام بنا دیا ورنہ شریعت سے ناواقفیت اور حالات کا جبر امت کے ایک گروہ کو
کسی سمجھوتے کیلئے آمادہ کر سکتا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ
موقر علمی اداروں سے وابستہ افراد اور مسلم دینی، سیاسی وسماجی تنظیموں سے وابستہ
کارکنان کے نمائندوں پر مشتمل ادارہ ہے۔

۲۵ رجون کو دئے گئے پریس ریلیز میں تنظیم ائمہ مساجد کے صدر مولانا جمیل الیاسی
نے غلط طور پر اپنے موقف کے حق میں شرعی جواز کی بات کی۔ انہوں نے کہا "تنظیم کے
پاس تمام شرعی جواز موجود ہیں کہ ائمہ مساجد کی ماہوار تنخواہیں دینا انکی محنت کی اجرت
ہے جو قطعاً جائز ہے۔ اس سلسلے میں تقریباً ۱۱۳ عالم شرع کے اجازت نامے موجود
ہیں"۔ دنیا بھر کے مختلف علماء کے ناموں کا حوالہ دینے کے بعد انہوں نے مزید کہا کہ
"لیکن اس امر میں یہ پہلو افسوسناک ہے کہ کچھ خود غرض ادارے اور تنظیمیں جن کا
مقصد محض مفاد پرستی اور ملت کے نام کو ناجائز طریقے پر استعمال کر کے اپنے

مقاصد حاصل کرنا ہو وہ قطعاً نہیں چاہتے کہ کسی جانب سے کوئی تعمیری کام ہو اور اسکے ذیل میں کسی کو اقتصادی فائدہ ہو۔"

مولانا الیاسی نے بڑی چالاکی اور مہارت سے ایک اختلافی مسئلہ چھیڑ کر اپنے حق میں شرعی جواز اور علماء کے فتووں کو پیش کیا حالانکہ مسلم پرسنل لاء بورڈ نے یہ فتویٰ صادر نہیں کیا کہ اماموں اور موذنوں کیلئے تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ حکومت کی بدنیتی اور اسلام مخالف مبہم اقدامات اس فیصلے کا بنیادی محرک ہے۔ مولانا الیاسی نے معاملے کو گڈ مڈ کرنے، لوگوں کو گمراہ کرنے اور اپنی کمزوری کو چھپانے کیلئے نیز بورڈ کے خلاف بدظنی پھیلانے کیلئے یہ انداز اختیار کیا۔ مولانا کا یہ کہنا کہ ائمہ مساجد کی ماہوار تنخواہ ہی محنت کی اجرت ہے، کچھ نامناسب اور معیوب جملے معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو باوقار خدمت اور مخلصانہ کوشش علماء اور ائمہ انجام دیتے ہیں انکی محنت کی اجرت تو کوئی کیا دیگا بلکہ انکی خدمت کا کفاف ہی انہیں حاصل ہوتا ہے۔ قدیم علماء احناف کے ہاں یہ بحث موجود ہے اور انہوں نے قرآن پاک کی تعلیم و تعلم اور امامت کی اجرت کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اس دور میں جب کہ امت کی سیاسی تنظیم و اجتماعی شیرازہ خلافت کے خاتمہ کی وجہ سے بکھر گیا ہے اور سماجی بندھن بھی روز بروز کمزور ہو رہا ہے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تعلیم قرآن اور امامت، جو دینی شعور پیدا کرنے اور سماجی شیرازہ کو باقی رکھنے کیلئے ایک اہم خدمت اور بنیادی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے چند افراد کا مختص ہونا بھی ضروری ہے ورنہ حرج پیدا ہو جائیگا۔ اس لئے ضرورت پورا کرنے کیلئے حق المعاوضہ دیکر خدمت لی جاسکتی ہے۔ لیکن کیا بھارتی حکومت جیسی ایجنسی کا اماموں کو تنخواہ دینا، خصوصاً ایسے حالات میں جب کہ یہ بات قرائن و دلائل اور وزراء کے بیان سے ثابت شدہ ہو کہ اس کے پیچھے سازش کارفرما ہے، شرعاً جائز ہوگا۔؟ کیا مولانا اس صورتحال پر بھی کسی کا فتویٰ پیش کرسکتے ہیں۔؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ان حالات میں بورڈ کے نمائندہ علماء

کا مذکورہ فیصلہ شرعی وضاحت کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ سے وابستہ اداروں اور تنظیموں کو نشانہ بناتے ہوئے تنظیم نے مفاد پرستی اور خود غرضی کا الزام لگایا ہے اور تعمیرِ امت کا چیمپئن بن کر تعمیری کام میں رکاوٹ ڈالنے کا طعنہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابلِ غور ہے بلکہ اگر کرداری شہادت کا کوئی اعتبار ہے تو وہ ان ملمع ساز علماء کی حقیقت کھولنے کے لئے بھی کافی ہے۔ ایک عرصہ تک یہ مشکوک لوگ امت کے نمائندہ بن کر دھڑلے سے وزیر اعظم کے دربار کے چکر لگاتے رہے اور جب پرسنل لا بورڈ کے مذکورہ فیصلے کی وجہ سے انکی خود ساختہ حیثیت مجروح اور حکومت کی زبردستی عطا کردہ پوزیشن کمزور ہوئی تو دینی اداروں اور تنظیموں پر الزام اور طعن کا طریقہ اپنایا۔ تنظیم ائمہ کے کردار پر شک کی بنیاد یہ ہے کہ جس وزیر اعظم سے علماء اور امت مسلمہ نے اسکے سیاہ کارناموں اور امت کو نقصان پہنچانے والے ناقابلِ معافی جرائم کی وجہ سے تعلق تقریباً مکمل تعلق سے توڑ لیا ہے تنظیم اسی وزیر اعظم کی مقرب اور چہیتی بنی ہوئی ہے۔ کیا یہ رویہ مفاد پرستی اور خود غرضی پر مبنی نہیں ہے۔ جو مولانا موصوف کی مطعون دینی تنظیموں نے تو کبھی حکومت کی طرف دادخواہی اور دادرسی کے لئے کوئی قدم نہیں بڑھایا بلکہ اکثر حکومت کی عتاب کا شکار رہیں۔ موقر اداروں کے اخلاص پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حکومت کے 'بارانِ رحمت' سے فیضیاب ہونے سے انکار کر دیا ہے کہ جہاں تک تعمیری کام نہ کرنے یا تعمیری کام کرنے والوں کے 'کارناموں' میں رکاوٹ ڈالنے کی بات ہے تو حقیقت یہ ہے کہ تنظیم مذکور کی پیدائش ابھی چند سال پہلے قبل ہوئی ہے۔ اس کے قیام و تعارف میں حکومتی مشنری اور میڈیا نے بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ اس دوران تنظیم کی طرف سے کچھ بیانات اور انکی بڑے پیمانے پر تشہیر عدالت عالیہ میں ائمہ کی تنخواہوں میں اضافے سے متعلق مقدمات کی پیروی اور وزیر اعظم کے دربار کے چکر۔۔۔ بس یہی کچھ سرمایہ تعمیر ہے۔ اسکے بالمقابل دینی تنظیموں اور اداروں

کے تعمیری کام کا وقت تقریباً ایک صدی کی کاوشوں پر محیط ہے۔ آج مسلمانوں کا ایک متوازی دینی تعلیمی نظام، مکاتب کا قریہ واری اور محلہ جاتی جال، مساجد میں ائمہ کی دستیابی اور ان مراکز سے امت کی وابستگی نیز مسلمانوں کی زبان، تہذیب اور ثقافت کی بقا انہیں تنظیموں اور اداروں کی مرہون منت ہے۔

بیرونی و اندرونی سازشوں کے محاذ کا سامنا ہو یا دین و شریعت کے خاتمے کی کوششوں اور تہذیبی یلغار کا مقابلہ، دینی تنظیمیں اور ادارے ہی اس نازک موقع پر اپنے فرائض کو نبھاتے ہیں۔ جب حکومت، سیاسی پارٹیوں اور سیکولرزم کا ڈھونگ رچانے والے بھارتی قائدین نے مسلم پرسنل لا کے خاتمے کی مہم اور مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار پر جارحانہ رخ اپنایا تو امت کا شعور بیدار کرنے اور جارحیت کے خلاف مضبوط محاذ بنانے والے یہی ادارے اور تنظیمیں تھیں۔ اور جب ایک موقع پر حمید دلوائی اور چھاگلہ نے اور دوسرے موقع پر عارف محمد خاں نے فرنٹ لائن سنبھالی تو انہیں تنظیموں اور اداروں نے انکو ایکسپوز کیا اور امت میں انکا نام ایک غدار اور گالی کی حیثیت سے جانا جانے لگا۔ سازش کرنے والے یا سازش کا آلہ کار بننے والے سمجھ لیں کہ انکا بھی دنیوی انجام اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ پارلیمنٹ، منبر، محراب اور جوتے انہیں اس انجام سے نہیں بچا سکیں گے۔ آخرت کا انجام کیا ہو، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

۱۸ر جون کو مسلم پرسنل لا بورڈ کی عاملہ کا اجلاس یونیفارم سول کوڈ کی سفارش کے عدالتی فیصلے پر غور و فکر کیلئے بلایا گیا تھا۔ اس میٹنگ میں تحفظ شریعت کی مہم کو چلانے کیلئے غور و فکر ہوا اور ایک قرارداد پاس کر کے امت کے جذبات کی ترجمانی کی گئی۔ تنظیم ائمہ کا اب تک پرسنل لا کے تعلق سے موقف واضح نہیں ہے۔ بلکہ بابری مسجد کے تعلق سے بھی کوئی واضح موقف سامنے نہیں آیا۔ ممکن ہے آئندہ رام مندر کی تعمیر اور مسجد کی مسماری کے شرعی جواز کیلئے حکومت

کو جن علماء اور ائمہ کی تلاش ہے وہ اسی گروہ میں سے وزیر اعظم کو ہاتھ آجائیں
جب حکومت ان علماء کے ذریعہ ائمہ کی تنخواہیں بڑھوانے جیسا تعمیری کام انجام
دلوائے گی اور ان کی اقتصادی حالت سدھرے گی تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہوگا
بابری مسجد منہدم کرنے والوں کو اس کرم فرمائی کا فوری صلہ تو آئندہ لوک سبھا الیکشن
میں مل ہی جائے گا۔ اگر اس سازش کو بے نقاب نہ کیا گیا۔

آخر میں ہم ان فرماں رواؤں سے اپیل کرتے ہیں جن کے دل میں کچھ تاخیر
ہی سے امت کے علماء اور ائمہ کے تعلق سے رحمت کا دریا موجزن ہو گیا ہے کہ
جس طرح دیگر شہری ہندوستان میں آزاد ہیں اور حفاظت اور امن کی دولت سے
بہرہ مند ہیں اور ان کی زبان اور تہذیب محفوظ ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی آزادی
جان و مال کی حفاظت اور زبان و تہذیب کا تحفظ حاصل ہو۔ اگر مسلمانوں کو ایک
مذہبی گروہ اور لسانی و تہذیبی اکائی سمجھتے ہوئے تحفظات اور مواقع دئے جائیں تو
کئی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اگر مساجد آزاد، مدارس خود مختار اور حکومت کی جانب
سے مسلمہ RECOGNIZED ہوں اور اوقاف کا ادارہ خود مختار اور امت
نمائندوں کے ہاتھ میں ہو اور اس سے حاصل شدہ فنڈ مسلمانوں کے مذہبی اور
تہذیبی استحکام کے لئے وقف ہو تو نہ حکومت کو کرم فرمائی کی ضرورت پیش آئے
اور نہ رخنہ اندازی کی۔ اور یہ سب کچھ تو انکا اپنا ہے اس پر کسی کا کیا اختیار!
ہمدردی کی یہ کون سی قسم ہے کہ اوقاف کو تو غصب کر لیا گیا اور اب مدارس و مساجد
پر شکنجہ کسا جا رہا ہے۔

انگریزوں نے سنہ ۱۸۳۵ء میں نیا نظام تعلیم وضع کر کے علماء اور مسلمانوں
کی کمر اقتصادی اور تہذیبی طور پر توڑ دی تھی۔ رہی سہی کسر سنہ ۱۹۴۷ء میں نظام وقت
کے تقاضے نے پوری کر دی۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم امت کو اس بات پر
غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ حکومت اگر آزادی میں مسلمانوں کی حصہ داری کو

تسلیم کرتے ہوئے نیک نیتی کا مظاہرہ کرتی تو سب سے پہلے ان تاریخی اور تہذیبی کڑیوں کو تلاش کر کے امت کا بحیثیت امت ان کڑیوں سے رشتہ جوڑتی لیکن یہ نیت اور جارح حکومت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ انگریزوں نے نظام قضا کا خاتمہ کر کے معاشرتی مرکزیت کو بکھراؤ سے دوچار کیا۔ موجودہ حکومت پرسنل لاء ختم کر کے امت کے عائلی شیرازے کو بھی منتشر کرنا چاہتی ہے۔ جب انگریزوں نے ملکی نظام تعلیم کو سیکولر بنا لیا تو مسلمانوں نے ایک الگ دینی تعلیمی نظام وضع کیا اور ان مدارس و مساجد کو حکومت کی دست برد سے آزاد رکھا۔ اب یہ حکومت مساجد اور مدارس کو قومیا کر (Nationalise) کر کے اس قوت کو شل کر دینا چاہتی ہے جو اس سے لوہا لے سکے۔

امت کے باشعور اور مخلص علماء سے گذارش ہے کہ جب سے قصر امت کا بنیادی ادارہ خلافت کا خاتمہ ہوا ہے تب سے مستقل یہ عمارت شکست و ریخت سے دوچار ہوتی جا رہی ہے۔ کیا علماء حق کی یہ بنیادی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اس شکستہ عمارت کو آندھیوں اور طوفان کے تھپیڑوں سے بچائیں اور ان زخموں کو بھرنے کی کوشش کریں۔ جو شکستہ ہو گئے ہیں۔ مدارس اور مساجد اس شکستہ قلعے کے وہ بنیادی ستون ابھی باقی ہیں جس سے امت کی شناخت اور کسی حد تک سماجی شیرازہ کا اظہار ہو رہا ہے۔ کیا اتنی آسانی سے ان مورچوں پر غنیم کو قابض ہونے دیا جائے گا۔

دوسری قسط

زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ

عبدالبر اثری فلاحی

ایسا نہیں کہ صرف علامہ یوسف القرضاوی صاحب کے یہاں ہی توسع پایا جاتا ہے، بہت سے علماء توسع کے قائل رہے ہیں بلکہ اس مصرف کے تحت ہر کام کرنے کو جائز ٹھہراتے رہے ہیں، ایسے علماء اس زمانے میں بھی پائے جاتے ہیں، واقفیت اور اطمینان کی خاطر کچھ قدیم وجدید علماء کی تصریحات ذیل میں نقل کی جا رہی ہیں جہاں اس سے فی سبیل اللہ کے مختلف رخوں اور پہلوؤں کی تعیین ہوتی ہے وہیں اس سلسلے میں کئے گئے اعتراضات کا جواب بھی معلوم ہوتا ہے۔

فی سبیل اللہ اور علماء کی تصریحات

امام رازیؒ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"واعلم ان ظاھر اللفظ فی قولہ (وفی سبیل اللّٰہ) لایوجب القصر علی الغزاۃ فلھذا المعنیٰ نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقہاء انھم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المسجد لان قولہ (وفی سبیل اللّٰہ) عام فی الکل" (مفاتیح الغیب ج ۶، ص ۱۱۳)

اور جان لو کہ اللہ کے قول "وفی سبیل اللّٰہ" میں ظاہر لفظ غازیوں پر قصر و تحدید کو ضروری قرار نہیں دیتا اور یہی معنیٰ قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے صدقات کو تمام وجوہ خیر میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے جیسے مردوں کو کفن دینا، قلعے بنانا اور مساجد کی آبادکاری (مرمت، آراستگی اور چراغ وغیرہ) اس لئے کہ اللہ کا قول "وفی سبیل اللّٰہ" سب میں عام ہے۔

ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ (متوفی ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں۔

"واما قوله تعالى "وفي سبيل الله" عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا"

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۳)

اللہ تعالیٰ کے قول "وفی سبیل اللہ" سے مراد تمام امور خیر ہیں لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت اور امور خیر میں سعی کرے بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔

علامہ صنعانیؒ لکھتے ہیں۔

"ويلحق به من كان قائما بمصلحة عامة من مصالح المسلمين كالقضاء والافتاء والتدريس وان كان غنيا وادخل ابو عبيد من كان في مصلحة عامة في العاملين واشار اليه البخاري حيث قال "باب رزق الحاكم والعاملين عليها" واراد بالرزق ما يرزقه الامام من بيت المال لمن يقوم بمصالح المسلمين كالقضاء والفتيا والتدريس فله الاخذ من الزكوٰة فيما يقوم به مدة القيام بالمصلحة وان كان غنيا"

(سبل السلام ج ۲ ص ۱۴۶)

اور اس (غازی) کے ساتھ اس شخص کو بھی ملحق سمجھا جائیگا جو مصالح مسلمین میں سے مصلحت عامہ کا کوئی کام انجام دے رہا ہو مثلاً قضاء، افتاء، تدریس اگرچہ وہ غنی ہو اور ابو عبید نے ایسے شخص کو جو مصلحت عامہ کے کام میں مشغول ہو عاملین میں داخل کیا ہے اور بخاری نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ انہوں نے باب باندھا ہے "باب رزق الحاکم والعاملین علیہا" حاکم اور عاملین صدقہ کا رزق اور رزق سے انکی مراد وہ رزق (کفاف) ہے جو امام بیت المال سے اس شخص کو دیتا ہے جو مصالح مسلمین کے کاموں میں مشغول ہو جیسے قضاء

(عدالت، افتاء، تدریس، تعلیم) ایسا شخص اس وقت تک جبکہ وہ اس قسم کے کام میں مشغول رہتا ہے زکوٰۃ میں سے لے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی (مالدار) ہو

مشہور محقق اور محدث علامہ مرتضیٰ زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ) لکھتے ہیں۔

"یمکن ان یرید المجاھدین والانفاق منها فی الجهاد لانه یطلق علیه هذا الاسم عرفا ویمکن ان یرید سبیل الخیر کلها المقربة الی اللہ"......

پھر مزید آگے تفصیلات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"......بل ما تقتضیه المصلحة العامة لکل انسان بل لکل حیوان حتی الشجرة یراها تموت عطشا فیکون عنده ویما یشتری لها ما یسقیها به من مال الزکوٰۃ فیسقیها بذلک فانه من سبیل اللہ وان اراد المجاهدین فالمجاهدون معلومون بالعرف من هم والمجاهدون انفسهم ایضاً فی سبیل اللہ فیجاهدون بذلک علی جهاد انفسهم (اتحاف ج ۴ ص ۲۵)

ممکن ہے کہ اس سے مراد مجاہدین ہوں اور جہاد سے متعلق امور میں خرچ کرنا ہو کیونکہ عرف عام میں اسی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ممکن ہے اس سے مراد تمام نیکی کے کام ہوں جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

بلکہ زکوٰۃ کی رقم کو ان کاموں میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے جس کا کہ مصلحت عامہ تقاضہ کرے خواہ انسانوں کی ضرورت میں خواہ جانوروں کی ضرورت میں حتیٰ کہ اس درخت پر بھی خرچ کیا جا سکتا ہے جو سوکھتا نظر آئے اور کسی کے پاس زکوٰۃ کا اس قدر مال ہو کہ اس سے کوئی چیز خرید کر اسے سیراب کیا جا سکتا ہو تو وہ اسے اس مال سے وہ چیز خرید کر سیراب کر دے کیونکہ یہ بھی سبیل اللہ میں سے ہے اور اگر مجاہدین مراد ہیں تو عرف عام میں مجاہد جیسے کسے سمجھا جاتا ہے یہ بالکل ظاہر و باہر ہے اور جہاد بالنفس کرنے والے بھی سبیل اللہ میں شمار ہوں گے اور اسکے ذریعے جہاد بالنفس کے کام میں

بھی انکی مدد کی جا سکتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب "الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البہیۃ" للشوکانی میں لکھتے ہیں۔

"اما سبیل اللہ فالمراد ھھنا: الطریق الیہ عز وجل والجھاد وان کان اعظم الطریق الی اللہ عز وجل لکن لا دلیل علی اختصاص ھذا السھم بہ بل یصح صرف ذلک فی کل ما کان طریقا الی اللہ عز وجل ھذا معنی الآیۃ لغۃ والواجب الوقوف علی المعانی اللغویۃ حیث لم یصح النقل شرعاً...

ومن جملۃ سبیل اللہ الصرف فی العلماء الذین یقومون بمصالح المسلمین الدینیۃ فان لھم فی مال اللہ نصیبا سواء کانوا اغنیاء او فقراء بل الصرف فی ھذہ الجھۃ من اھم الامور لان العلماء ورثۃ الانبیاء و حملۃ الدین و بھم تحفظ بیضۃ الاسلام و شریعۃ سید الانام۔

وقد کان علماء الصحابۃ یاخذون من العطاء ما یقوم بما یحتاجون الیہ مع زیادات کثیرۃ یتفوضون بھا فی قضاء حوائج من یرد علیھم من الفقراء وغیرھم والامر فی ذلک مشھور و منھم من یاخذ زیادۃ علی مائۃ الف درھم ومن جملۃ الاموال التی کانت تفرق بین المسلمین علی ھذہ الصفۃ الزکوۃ وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم لعمر لما قال لہ یعطی من ھو احوج منہ ما اتاک من ھذا المال وانت غیر مستشرف ولا سائل فخذہ وما لا فلا تتبعہ نفسک کما فی الصحیح والامر ظاھر"۔ (الروضۃ الندیۃ ج ۱ ص ۲۰۶-۲۰۷)

رہا "سبیل اللہ" تو یہاں اس سے مراد اللہ تک پہونچنے کا راستہ ہے جہاد اگرچہ خدا تک رسائی کا سب سے عظیم راستہ ہے لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ سبیل اللہ والا حصہ جہاد کیلئے مخصوص ہے بلکہ زکوۃ کے اس حصے کا ان تمام کاموں میں خرچ کرنا درست ہے جو راہ خدا میں شامل ہوں لغت

کے اعتبار سے یہی آیت کا معنی ہے اور صحیح نقل شرعی نہ ہونے کی صورت میں لغوی معانی پر انحصار کرنا ضروری ہے۔۔۔۔

سبیل اللہ (راہ خدا) میں خرچ کرنے کی ایک صورت ان علماء پر خرچ کرنا ہے جو مسلمانوں کے دینی امور انجام دے رہے ہوں خواہ وہ مالدار ہوں یا فقیر کیونکہ اللہ کے مال میں ان کا حصہ ہے بلکہ اس مد میں خرچ کرنا زیادہ اہم ہے کیونکہ علماء انبیاء کے وارثین اور دین کے حاملین ہیں انہیں کے ذریعے دین اسلام اور شریعت محمدی کی حفاظت ہوتی ہے۔

علماء صحابہ اتنا عطیہ لیا کرتے تھے جو ان کی ضروریات سے بہت زائد ہوا کرتا جس سے وہ لوگ اپنے پاس آنے والے فقراء وغیرہ کی ضروریات بھی پوری کرتے تھے یہ بات مشہور ہے کہ بعض علماء صحابہ ایک لاکھ درہم سے زائد لیا کرتے تھے اور زکوٰۃ کا مال بھی ان اموال میں سے ہوتا تھا جو مذکورہ بالا طریقے پر مسلمانوں میں تقسیم کئے جاتے تھے حضرت عمرؓ نے جب یہ کہتے ہوئے لینے سے معذرت کی کہ "جو لوگ مجھ سے زیادہ حاجت مند ہیں انہیں دے دیجئے" تو حضورؐ نے ان سے فرمایا: اشراف نفس (لالچ) اور سوال کے بغیر تمہارے پاس جو مال آئے اسے لے لو اور جو مال اس طرح نہ آئے اس کے پیچھے اپنے آپ کو نہ تھکاؤ جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے اور معاملہ ظاہر ہے

علامہ رشید رضا مصری نے تفصیل سے بحث کرنے کے بعد اپنا نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"وفی سبیل اللہ" وھو یشمل سائر المصالح الشرعیۃ العامۃ التی ھی ملاک امر الدین والدولۃ واولھا واولاھا بالتقدیم الاستعداد للحرب بشراء السلاح واغذیۃ الجند وادوات النقل وتجھیز الغزاۃ وتقدم مثلہ عن محمد بن عبد الحکم ۔۔۔۔۔۔

ويدخل في عمومه انشاء المستشفيات العسكرية وكذا الخيرية العامة واشراع الطرق وتعبيدها ومد الخطوط الحديدية العسكرية لا التجارية ومنها البواخر المدرعة والمناطيد والطيارات الحربية والحصون والخنادق ۔

ومن اهم ما ينفق في سبيل الله في زماننا هذا اعداد الدعاة الى الاسلام وارسالهم الى بلاد الكفار من قبل جمعيات منظمة تمدهم بالمال الكافي كما يفعله الكفار في نشر دينهم . . .

ويدخل فيه النفقة على المدارس للعلوم الشرعية وغيرها مما تقوم به المصلحة العامة وفي هذه الحالة يعطى منها معلموا هذه المدارس ما داموا يؤدون وظائفهم المشروعة التي ينقطعون بها عن كسب آخر ولا يعطى عالم غني لاجل علمه وان كان يفيد الناس به

(المنار ج ١٠ ص ٥٠٦-٥٠٥)

"فی سبیل اللہ" کا مصرف ان تمام شرعی مصالح عامہ کو شامل ہے جن پر دین اور حکومت کے معاملہ کا دار و مدار ہے اور اولین و مقدم جنگ کے لئے تیاری ہے جیسے ہتھیار، فوج کیلئے خوراک اور آلات حمل و نقل خریدنا اور جنگ کرنے والوں کو سامان جنگ سے لیس کرنا ہے ۔

اس کے عموم میں فوجی اسپتالوں کا قیام، رفاہ عامہ کے ادارے، نئے راستے بنوانا، فوج کیلئے ریلوے لائن بچھانا جو تجارتی نہ ہو اور فولاد کی جنگی جہاز، جنگی ہوائی اڈوں قلعوں اور خندقوں کی تعمیر بھی داخل ہے ۔

اور موجودہ زمانہ میں فی سبیل اللہ کا اہم ترین مصرف یہ ہے کہ اسلام کے لئے داعی تیار کئے جائیں اور انہیں کفار کے ممالک میں منظم جمعیتوں کی طرف سے بھیجا جائے اور وہ وافر مال سے انکی مدد کریں جس طرح کہ کفار

اپنے دین کو پھیلانے کیلئے کرتے ہیں۔

اور اس میں علوم شرعیہ وغیرہ کے مدارس پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو مفاد عامہ کے کام ہیں اور اس حالت میں ان مدارس کے معلمین کو بھی اس میں سے دیا جائیگا جب تک کہ وہ اپنے مقررہ فرائض انجام دیتے ہیں اور اس بنا پر دوسرا ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے البتہ مالدار عالم کو اس کے علم کی وجہ سے نہیں دیا جائیگا اگرچہ وہ اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہو۔"

سید قطب شہیدؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام میں مصارف زکوٰۃ سے بحث کرتے ہوئے "وفی سبیل اللہ" کے تحت لکھا ہے۔

"وفی سبیل اللہ" وھو مصرف عام تحددہ الظروف ومنہ تجہیز المجاھدین وعلاج المرضی وتعلیم العاجزین عن التعلیم وسائر ما تحقق بہ مصلحۃ لجماعۃ المسلمین والتصرف فی ھذا الباب یتسع لکل صلاح اجتماعی فی سائر البیئات والظروف" (العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام صفحہ ۱۳۵)

فی سبیل اللہ ایک عام مد ہے جس کی عملی تشکیل حالات ہی متعین کر سکتے ہیں مجاہدین کی تیاری بیماروں کا علاج، جو لوگ تعلیم نہ حاصل کر سکتے ہوں ان کی تعلیم کا بندوبست غرض یہ کہ وہ تمام کام جو مصالح مسلمین کی خاطر مفید اور ضروری ہوں اس مد کے تحت آجاتے ہیں اس کے اندر اتنی وسعت ہے کہ مختلف حالات میں سارے ہی اجتماعی کام اس کے تحت آجاتے ہیں۔

اسکی مزید وضاحت کرتے ہوئے اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" میں رقمطراز ہیں "وفی سبیل اللہ" وذلک باب واسع یشمل کل مصلحۃ للجماعۃ تحقق کلمۃ اللہ وفی اولہا اعداد العدۃ للجہاد وتجہیز المتطوعین وتدریبہم وبعث البعوث للدعوۃ الی الاسلام وبیان احکامہ وشرائعہ للناس اجمعین وتاسیس المدارس والجامعات التی تربی الناشئۃ تربیۃ اسلامیۃ صحیحۃ

فلا تکلھم الی مدارس الدولة تعلمھم کل شیئ الا الاسلام ولا مدارس المبشرین تعتدی علی فطرتھم وحدثتھم وھم لا یملکون زاد العدوان"

(فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۸۲)

"فی سبیل اللہ ایک کشادہ مصرف ہے جو امت مسلمہ کی ان تمام مصلحتوں کو شامل ہے جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے ضروری ہوں۔ اس میں سب سے پہلی چیز جہاد کے لئے وسائل فراہم کرنا رضا کاروں کی تیاری اور انہیں ٹریننگ دینا عام لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے اور اسلامی احکام و شرائع کی تعلیم دینے کیلئے وفود بھیجنا ایسے مکاتب و مدارس قائم کرنا جو نئی نسل کی صحیح اسلامی تربیت کریں اس سلسلے میں ہم سرکاری اسکولوں پر انحصار نہیں کر سکتے جو انہیں اسلام کے علاوہ ہر چیز سکھلاتے ہیں اور نہ ان مشنری اسکولوں پر انحصار کر سکتے ہیں جو نئی نسل پر بچپن ہی سے حملہ آور ہوتے ہیں اور وہ دشمنوں کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں رہ جاتے۔"

مولانا مودودیؒ نے "وفی سبیل اللہ" کے تحت لکھا ہے۔

"راہ خدا کا لفظ عام ہے تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے لیکن حق یہ ہے اور ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظام کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظام اسلامی کو قائم کرنا ہو اس جدوجہد میں جو لوگ کام کریں ان کو سفر خرچ کیلئے سواری کیلئے آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کیلئے زکوٰۃ سے مدد دی جا سکتی ہے خواہ وہ بجائے خود کھاتے پیتے لوگ ہوں اور اپنی ذاتی ضروریات کے لئے انکو مدد کی ضرورت نہ ہو اسی طرح جو لوگ رضا کارانہ اپنی تمام خدمات اور

اپنا تمام وقت عارضی طور پر یا مستقل طور پر اس کام کیلئے دیدیں انکی ضروریات پوری کرنے کیلئے بھی زکوٰۃ سے وقتی یا استمراری اعانتیں دی جا سکتی ہیں۔

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ ائمہ سلف کے کلام میں بالعموم اس موقع پر "غزوہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو قتال کا ہم معنی ہے اس لئے لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مصارف میں "فی سبیل اللہ" کی جو مد رکھی گئی ہے وہ صرف قتال کے لئے مخصوص ہے لیکن درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ قتال سے وسیع تر چیز کا نام ہے اور اس کا اطلاق ان تمام کوششوں پر ہوتا ہے جو کلمہ کفر کو پست اور کلمہ خدا کو بلند کرنے اور اللہ کے دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کیلئے کی جائیں خواہ وہ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے میں ہوں یا قتال کے آخری مرحلے میں۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۰۸)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

"وفی سبیل اللہ" (خدا کی راہ میں) کا ایک وسیع مفہوم ہے جو ہر قسم کے نیک کاموں کو شامل ہے اور حسب ضرورت کبھی اس مذہبی لڑائی یا سفر حج یا دوسرے نیک کام مراد لئے جا سکتے ہیں" (سیرۃ النبی ج ۵ ص ۲۳)

مزید بحث کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا ہے مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی ابھی آیت گذر چکی "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ" یہاں فی سبیل اللہ سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے۔ اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنا ضروری ہے مگر ان کا استدلال جو للفقراء کی لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے ہو سکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے خلق لکم ما فی الارض جمیعًا"

(حاشیہ سیرۃ النبی ج ۵ ص ۲۳)

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مصارف زکوٰۃ والی آیت میں "وفی سبیل اللہ" کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

"اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کیلئے اور ان تمام کاموں کیلئے جو مستقل جہاد کے اعلاء کلمۃ حق کیلئے ہوں) (ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۹۱)

پھر آٹھوں مصارف کے ترتیب کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"پھر فی سبیل اللہ کا مقصد رکھا گیا کہ مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں یا کم ہو گئی ہوں یا مقتضیات وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو یا مال زکوٰۃ کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہو تو ایک جامع وحاوی مقصد کا دائرہ کھول دیا جائے جس میں دین وامت کے مصالح کی ساری باتیں آجائیں"

(ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۱۳۰)

آگے "سبیل اللہ" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہ راست دین وملت کی حفاظت وتقویت کیلئے ہوں سبیل اللہ کے کام ہیں اور چونکہ حفظ وصیانت امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے اس لئے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا پس اگر دفاع درپیش ہے اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مد زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا ورنہ دین وامت کے عام مصالح میں مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت میں، مدارس کے اجراء وقیام میں، دعاۃ ومبلغین کے قیام وترسیل میں ہدایت وارشاد امت کے تمام مفید وسائل میں"

(ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۱۳۰)

اسی کے تحت حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"فقہاء ومفسرین کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے اور بعضوں نے تو اسے اس درجہ عام کر دیا ہے کہ مسجد، کنواں، پل اور تمام اس طرح کی تعمیرات خیر میں

بھی اس میں داخل کر دیں، وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلک (نیل الاوطار) فقہاء حنفیہ میں سے صاحب فتاویٰ ظہیریہ لکھتے ہیں: المراد طلبۃ العلم اور صاحب بدائع کے نزدیک وہ تمام کام جو نیکی و خیرات کے لئے ہوں اس میں داخل ہیں" (ترجمان القرآن ج ۱ صفحہ ۱۳۰)

شیخ محمود شلتوت لکھتے ہیں۔

"اما الجھۃ الاخری العامۃ المذکورۃ بقولہ "وفی سبیل اللہ" فھی تشتمل سائر المصالح التی ھی اساس الدین والدولۃ واولھا واحقھا الاستعداد الحربی بجمیع لوازمہ حتی المستشفیات العسکریۃ ومد الخطوط الحدیدیۃ والقناطر وما الی ذلک مما یعرفہ رجال الحرب والمیدان۔

ویدخل فی ھذہ الجھۃ الاعداد لدعاۃ اسلامیین اعداد الظہرون بہ جمال الاسلام وسماحتہ ویدفعون بشبہ الاعداء الی صدور ھم کما یدخل فیہ العمل علی تحفیظ القرآن فی جمیعانہ وافرادہ وانشاء مساجد فی الاحیاء التی لا توجد فیھا المساجد الکافیۃ۔

(الفتاویٰ لمحمود شلتوت صفحہ ۱۱۹)

"دوسرا عام مصرف جو "فی سبیل اللہ" کے الفاظ میں بیان ہوا ہے وہ تمام مصالح پر مشتمل ہے جو دین اور حکومت کی اساس ہیں ان میں اول اور مستحق جنگی تیاری کے کام ہیں اپنے تمام لوازم کے ساتھ۔ یہاں تک کہ فوجی اسپتال، ریلوے لائن بچھانا، پل اور اس قسم کی دوسری چیزیں جن کو جنگی کاروائی کرنے والے ضروری خیال کرتے ہیں شامل ہیں۔

اور اس مصرف میں اسلام کے ایسے داعی تیار کرنا بھی شامل ہے جو اسلام کے جمال اور اسکی فیض بخشی کو نمایاں کر سکیں اور مخالفین کے شبہات

کو دور کر سکیں، اسی طرح حفظ قرآن کی جو خدمت جماعتوں اور اداروں کی سطح پر انجام دی جا رہی ہیں وہ بھی اس میں داخل ہے نیز ایسے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنا بھی شامل ہے جہاں مسجدیں کافی نہ ہوں۔"

اسی انداز کی بات انہوں نے اپنی کتاب "الاسلام عقیدة وشریعة" میں بھی مصارف زکوٰۃ سے بحث کرتے ہوئے لکھی ہے بلکہ وہاں مزید لکھا ہے

"وکلمة سبیل اللہ ظاهرة فی العموم لمنافع العامة ولا وجه لحملها علی الافراد فضلا عن تخصیصها بفرد دون آخر

(الاسلام عقیدة وشریعة ص۱۱۵)

اور سبیل اللہ کے الفاظ عمومیت کی بنا پر منافع عامہ کیلئے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ انکو افراد معین چیزوں پر محمول کیا جائے اور کسی ایک فرد معین چیز کے ساتھ مخصوص کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

مصر کے سابق مفتی شیخ حسنین مخلوف سے جب پوچھا گیا کہ کیا زکوٰۃ بعض دینی رفاہی اداروں کے حوالے کی جا سکتی ہے تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اور دلیل میں امام رازی کی وہ عبارت نقل کی ہے جو انہوں نے "فی سبیل اللہ" کے مفہوم کے سلسلے میں قفال وغیرہ سے نقل کی ہے۔ مزید تفصیلات "فتاوی شرعیة" للشیخ مخلوف ج ۲ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مولانا عروج قادریؒ نے تبلیغ دین کو "فی سبیل اللہ" کے مصرف میں شامل مانا ہے چنانچہ انہوں نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

سوال: اگر کوئی مسلمان زکوٰۃ کی رقم سے ہندی کا ترجمہ قرآن خرید کر پڑھے لکھے مالدار غیر مسلموں کو محض تبلیغ دین کی نیت سے دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف "فی سبیل اللہ" بھی ہے اور تبلیغ دین پر فی سبیل اللہ کا اطلاق بدرجہ اولیٰ ہوگا اس لئے میرے خیال میں

پڑھے لکھے غیر مسلموں کو عام ازیں کہ وہ مالدار ہوں یا نہ ہوں مستند
ہندی ترجمہ قرآن زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر دینا جائز ہوگا لیکن اس کا
ضرور خیال رکھا جائے کہ جسکو بھی زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر ترجمہ قرآن دیا
جائے اسکے بارے میں یہ ظن غالب اطمینان ہو کہ وہ اسکو پڑھے گا ایسا نہ ہو
کہ وہ اسکو رکھ کر ٹال دے اور رقم ضائع ہو"

(زندگی رامپور اپریل ۱۹۶۶ء ج ۳۶ ش ۴)

اس فتویٰ پر جب بعض حلقوں سے اعتراضات ہوئے تو آپ نے دوسرے
شمارے میں ان اعتراضات کا مفصل جواب دیا۔ توسع کے قائلین کے دلائل نقل
کئے۔ جو تفصیل سے زندگی رامپور جون ۱۹۶۶ء کے شمارے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

پھر لکھا

"تبلیغ دین یقیناً اور بلاشبہ اعلائے کلمۂ حق کے کاموں میں داخل ہے
بلکہ یہ قتال فی سبیل اللہ کا اولین مرحلہ ہے اس لئے میں نے تبلیغ دین کو فی سبیل
اللہ میں داخل کرکے کوئی غلطی نہیں کی ہے بلکہ تبلیغ دین کو جہاد اور اعلائے کلمہ
حق کے کاموں سے خارج کرنا حقیقی بہ خطا ہے"

(زندگی رامپور جون ۱۹۶۶ء ج ۳۶ ش ۶)

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالسلام بستوی نے بھی توسع کا پہلو لیا ہے
جیسا کہ ان سے لئے گئے ایک سوال کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے۔

سوال:- اموال زکوٰۃ سے مدارس اسلامیہ کی تعمیر جائز ہے یا نہیں اور مدرسین
واساتذہ مدارس ومکاتب اسلامیہ کو زکوٰۃ سے تنخواہ دیجا سکتی ہے یا نہیں
بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

جواب:- زکوٰۃ سے دینی مدارس کی تعمیر بعض علماء کے نزدیک جائز ہے اور
غریب مدرسین کی تنخواہ بھی جائز ہے چونکہ یہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے

اور فی سبیل اللہ عام ہے چنانچہ تفسیر خازن میں ہے "قال بعضهم ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على الغزاة فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبيل الله الى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور و الحصون وعمارة المساجد وغير ذلك لان قوله "في سبيل الله" عام في الكل فلا يختص دون غيره" انتهى (مطبوعہ مصر ج ۲ ص۲۳۸) بعض مفسرین (قفال مروزی) وغیرہ نے کہا ہے کہ لفظ سبیل اللہ عام ہے پس اسکو محض غازیوں پر منحصر کرنا جائز نہیں اس لئے بعض فقہاء نے حصہ سبیل اللہ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے جیسے مردوں کا کفن دفن پل اور قلعوں کا بنانا، مساجد کی تعمیر اور اس کے سوا جیسے مدرسہ کی تعمیر وغیرہ اس لئے کہ اللہ کا فرمان فی سبیل اللہ ہر ایک کو عام ہے پس وہ غزوہ ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگا ...... (امام رازیؒ اور نواب صدیق حسن خان سے اقتباسات نقل کئے ہیں اور پھر لکھا ہے)

ان عبارات سے ظاہر ہوا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے جو ہر ایک نیک کام کو شامل ہے اسمیں طلبہ کی امداد و اعانت بھی شامل ہے جیسا کہ مظہری میں ہے "من انفق ماله فى طلبة العلم صدق انه انفق فى سبيل الله" (ص۱۵ مطبوعہ ہاشمی) جس نے اپنا مال طالب علموں پر خرچ کیا اس کی بابت یقیناً کہا جائیگا کہ یہ خرچ ثمانیہ سے فی سبیل اللہ میں داخل ہے کما مر بیانہ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے فقیر کے نزدیک اسی طور پر تنخواہ علماء مدرسین بھی سبیل اللہ میں داخل ہے اور شوکانی "دل الغمامہ" میں لکھتے ہیں "ومن جملة فى سبيل الله الصرف فى علماء الصحابة فان لهم فى مال الله نصيبا سواء كانوا اغنياء او فقراء بل الصرف فى هذه الجهة من اهم الامور وقد كان علماء الصحابة ياخذون من جملة هذه الاموال التى كانت تفرق بين المسلمين على هذه الصفة من الزكوة

الیٰ آخر ملخصاً (دلیل الطالب ص ۲۲۲) من جملہ فی سبیل اللہ علماء کرام پر صرف کرنا بھی ہے اس لئے کہ ان کا بھی اللہ کے مال میں حصہ ہے خواہ وہ امیر ہوں خواہ فقیر بلکہ اس راہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے علماء صحابہ بھی ان مالوں سے لیتے تھے جو مسلمانوں پر زکوٰۃ سے خرچ کئے جاتے تھے۔ اور بعض علماء کے نزدیک فی سبیل اللہ صرف مجاہدین کیلئے ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک مدارس و مدرسین فی سبیل اللہ سے خارج ہیں۔ میں نے ماہنامہ "الاسلام" مجریہ ۱۵ راگست ۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری اور حضرت میاں صاحب کے فتویٰ کو نقل کیا ہے جس سے عدم جواز نکلتا ہے لیکن راقم الحروف کے نزدیک فی سبیل اللہ عام ہے اس لئے دینی مدارس کے خدام فی سبیل اللہ میں داخل ہیں لہذا مدارس کی تعمیر میں اور غریب مدرسین کے مشاہرہ میں دینا جائز ہے کیونکہ موجودہ زمانہ میں دینی مدارس کا دار و مدار انہی پر ہے۔

چنانچہ مندرجہ ذیل آیتوں میں لفظ فی سبیل اللہ سے دین اور اسلام مراد ہے "یصدون عن سبیل اللہ" (سورہ ۸ انفال، توبہ ۹، ۱۴ ابراھیم) "لیضل عن سبیل اللہ" (حج، لقمان) "الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ" (قتال، نحل) "حتی یھاجروا فی سبیل اللہ" (نساء) "والذین ھاجروا فی سبیل اللہ" (النحل: ۴۱) "والمھاجرین فی سبیل اللہ" (نور)۔ بہر حال بعض علماء کے نزدیک چونکہ فی سبیل اللہ عام ہے اس لئے دینی مدارس کے سلسلے میں دینا جائز ہے جبکہ موجودہ دور میں دینی مدارس کا چلنا اسی پر موقوف ہو رہا ہے تو یہ بھی ایک ضرورت شدید ہے جس طرح بعض فقہاء نے ضرورت تعلیم پر اجرت لینا درست لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب (اخبار اہل حدیث دہلی ۱۳۹۵ھ ج ۹ ش ۱۶)

صاحب "تدبر قرآن" مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

"وفی سبیل اللہ" یہ ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوت دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں، وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائیگی کسی کو کم لیکن جس کام سے بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ فی سبیل اللہ کے حکم میں داخل ہے۔"

(تدبر قرآن ج ۳ ص ۱۹۲)

اپنی کتاب "توضیحات" میں مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فی سبیل اللہ ایک وسیع مفہوم رکھنے والی اصطلاح ہے جسکے اندر نیکی اور بھلائی کے وہ سارے کام داخل ہیں جنکی طرف اللہ اور اس کے رسول نے رہنمائی فرمائی ہے اس کے مقابل اصطلاح فی سبیل الطاغوت ہے جس سے مراد وہ پورا نظام ضلالت ہے جو شیطان نے پھیلا رکھا ہے اس تقابل کی روشنی میں غور کیجیے تو یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ پورا نظام ہدایت بحیثیت مجموعی بھی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالٰی نے اتارا ہے اور اس کے الگ الگ اجزاء بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں اگر بحیثیت مجموعی اس پورے نظام کے قیام و بقا اور اس کے استحکام پر صدقات و زکوٰۃ کی مد سے خرچ کیا جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس کے کسی ایک ہی جز کی حفاظت و ترقی پر اسکو صرف کیجیے جب بھی وہ فی سبیل اللہ ہے۔

انفاق اور جہاد بالمال کے تعلق کے ساتھ جہاں جہاں فی سبیل اللہ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے ہم اس کی بعض مثالیں یہاں قرآن مجید سے نقل کر دیتے ہیں تاکہ کچھ اندازہ ہو سکے کہ اس اصطلاح کے تحت کیا کیا چیزیں آ سکتی ہیں۔

"وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" (البقرۃ: ۱۹۵)

اور اسکی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد بالسیف ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی

حفاظت اور خانہ کعبہ کو کفار کے پنجہ سے چھڑانے کیلئے جاری تھا۔

" مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل " (البقرہ ۲۶۱) " ان لوگوں کے خرچ کی مثال جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ اگائے سات بالیاں یہاں فی سبیل اللہ سے مراد عام مصارف خیر ہیں جن میں نیکی اور بھلائی کے سارے کام داخل ہیں

" الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی " (البقرہ ۲۶۲) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کے راستہ میں اور اس خرچ کے پیچھے اظہار احسان اور ایذا کی بلا نہیں لگا دیتے مذکورہ آیت میں بھی فی سبیل اللہ سے فقراء اور مساکین اور اس طرح کے دوسرے مستحقین مراد ہیں۔

" للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض " (البقرہ ۲۷۳) ان فقراء کیلئے خرچ کیا جائے جو اللہ کی راہ میں بندھ گئے ہیں اور زمین میں ہاتھ پاؤں نہیں مار سکتے۔ اس آیت میں سیاق کلام سے واضح ہے کہ فی سبیل اللہ سے دین اور علم دین مراد ہے۔

" ان الذین کفروا ینفقون اموالہم لیصدوا عن سبیل اللہ " (الانفال ۳۶) جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔

یہاں سبیل اللہ سے مراد اسلام بحیثیت مجموعی ہے۔

" ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ (الانفال ۷۲) بیشک جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

یہاں فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے مراد اقامت دین کی جدوجہد بحیثیت مجموعی ہے۔

اسی طرح ابو داؤد کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ میں شامل ہے فان الحج من سبیل اللہ ۔

مذکورہ بالا استعمالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فی سبیل اللہ کے اندر نیکی اور خیر کے سارے ہی کام داخل ہیں اگر یہ لفظ تنہا بولا جائے تو اس سے خیر کا کوئی خاص کام بھی مراد ہو سکتا ہے اگر موقع کلام کسی خاص چیز کو متعین کر دے اور پورا دین بھی اس سے مراد ہو سکتا ہے اگر موقع عمومیت کا ہو اور اگر نیکی اور بھلائی کے چند متعین کاموں کے ساتھ اس کا ذکر آئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان خاص خاص کاموں کے بعد اس جامع اصطلاح نے بقیہ دوسرے دین کے سارے کاموں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے .... (پھر اپنی رائے کی تائید میں مولانا نے علامہ آلوسی حنفی کی تفسیر "روح المعانی" ابن عربی کی "احکام القرآن" نیز "تفسیر کبیر" "تفسیر خازن" ابن حزم کی "محلیٰ" رشید رضا مصری کی تفسیر "المنار" اور سید سلیمان ندویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "سیرۃ النبی" سے مختلف اقتباسات نقل کئے ہیں چونکہ اکثر اقتباسات پچھلے صفحات میں گذر چکے ہیں اس لئے یہاں قلمزد کرتا ہوں)۔

پھر آخیر میں لکھتے ہیں ۔

"مذکورہ بالا اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فی سبیل اللہ کی مد ایک وسیع مد ہے اس میں نیکی اور بھلائی کے سارے ہی کام داخل ہیں اسلام کی دینی و دنیاوی مصلحت کی کوئی بات بھی ایسی نہیں رہ گئی ہے جو اس کے اندر نہ سمٹ آتی ہو اس میں کسی پہلو سے تملیک کا بھی کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اول تو یہاں کوئی چیز ایسی ہے نہیں جس سے تملیک کا مفہوم اخذ کیا جا سکے لے دے کر ایک 'لام' تھا لیکن اسکی جگہ پر بھی جیسا کہ عرض کیا گیا یہاں 'فی' ہے جس کے اندر تملیک کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہیں پایا جاتا ثانیاً اگر اس کے تحت تمام مصارف خیر آتے

ہیں جیسا کہ ہر مسلک کے علماء اور ائمہ نے تصریح کی ہے تو تملیک شخصی کا تو ان ساری صورتوں میں پایا جانا ممکن ہی نہیں ہے اگر ممکن ہے تو تملیک اجتماعی کا پایا جانا ممکن ہے اور اس سے ہمیں اختلاف نہیں ہے۔ پس اگر بالفرض کسی چیز کے جواز میں اس پہلو سے کسی کو تردد ہے کہ للفقراء کی لام کے یہ منافی ہے تو اسکو چھوڑ دیجئے یہ دیکھئے کہ وہ فی سبیل اللہ کی مد کے تحت آتی ہے یا نہیں اگر آتی ہے تو اس کے جواز کیلئے یہ دلیل کافی ہے۔ (توضیحات ص۱۶۵-۱۵۹)

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس المجمع الفقہی الاسلامی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸، ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۸۵ء میں "فی سبیل اللہ" کے مصرف کے بارے میں درج ذیل قرارداد منظور کی۔ واضح رہے کہ یہ اجلاس سعودی عرب کے ممتاز عالم دین اور مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز کی صدارت میں ہوا تھا۔

"وبعد تداول الرأي ومناقشة ادلة الفريقين قرر المجلس بالاكثرية ما يلي۔

۱۔ نظرا الى ان القول الثاني قد قال به طائفة من علماء المسلمين وان له حظا من النظر في بعض الآيات الكريمة مثل قوله تعالى: (الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى) ومن الاحاديث الشريفة مثل ما جاء في سنن ابي داود ان رجلا جعل ناقة في سبيل الله فارادت امرأته الحج فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم "اركبيها فان الحج في سبيل الله".

۲۔ ونظرا الى ان القصد من الجهاد بالسلاح هو اعلاء كلمة الله تعالى وان اعلاء كلمة الله تعالى كما يكون - ايضا - بالدعوة الى الله تعالى ونشر دينه باعداد الدعاة ودعمهم ومساعدتهم على اداء مهمتهم فيكون كلا الامرين جهادا لما روى الامام احمد والنسائي وصححه الحاكم عن انس رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم۔

٣- ونظراً الى ان الاسلام محارب بالغزو الفكري والعقدي من الملاحدة واليهود والنصارى وسائر اعداء الدين وان هؤلاء من يدعمهم الدعم المادي والمعنوي فانه يتعين على المسلمين ان يقابلوهم بمثل السلاح الذي يغزون به الاسلام وبما هو انكى منه۔

٤- ونظراً الى ان الحروب في البلاد الاسلامية اصبح لها وزارات خاصة بها ولها بنود مالية في ميزانية كل دولة بخلاف الجهاد بالدعوة فانه لا يوجد له في ميزانيات غالب الدول مساعدة ولا عون۔

لذلك كله فالمجلس يقرر بالاكثرية المطلقة دخول الدعوة الى الله تعالى وما يعين عليها ويدعم اعمالها في معنى وفي سبيل الله في الآية الكريمة (قرارات المجمع الفقهي الاسلامي لرابطة العالم الاسلامي ص ٢٢٣)

تبادلۂ آراء اور فریقین کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد مجلس نے کثرت رائے سے درج ذیل قرارداد منظور کی۔

١- اس بات کے پیش نظر کہ دوسرے قول کا قائل علمائے مسلمین کا ایک گروہ ہے اور اس کی تائید بعض آیات کریمہ سے ہوتی ہے مثلاً (الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی) (البقرة ٢٦٢) جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ پر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دل آزاری کرتے ہیں...... نیز بعض احادیث شریفہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثال کے طور پر سنن ابو داؤد کی یہ روایت کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی اللہ کی راہ میں دے دی اور اس کی بیوی حج کرنا چاہتی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا اس پر سواری کرو کیونکہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے

٢- اور اس بات کے پیش نظر کہ مسلح جہاد سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند

کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ جہاں قتال کے ذریعہ بلند ہوتا ہے وہاں دعوت الی اللہ اور اشاعت دین کے ذریعے بھی ہوتا ہے جس کے لئے داعیوں کو تیار کرنے اور انکی امداد واعانت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں لہٰذا دونوں ہی باتیں جہاد میں شامل ہیں۔ چنانچہ امام احمد اور نسائی کی روایت ہے اور اسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: (جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم) مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعے۔

۳۔ اور اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اسلام کو ملحدوں، یہود و نصاریٰ اور تمام دشمنان اسلام کی طرف سے کئے جانے فکری اور اعتقادی حملوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ اور انکو ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو انکی مادی اور معنوی مدد کرتے ہیں اس لئے مسلمانوں کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ویسے ہی ہتھیاروں سے انکا مقابلہ کریں جن کے ذریعے وہ اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کاری ضرب لگانے والے اسلحہ سے۔

۴۔ اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ممالک اسلامیہ میں جنگی معاملات کے لئے خاص وزارتیں تشکیل دی جاتی ہیں اور اس کے لئے ہر حکومت کے بجٹ میں مالی دفعات ہوتی ہیں بخلاف دعوتی جہاد کے کہ اس کے لئے اکثر ممالک کے بجٹ میں امداد واعانت کیلئے کوئی رقم تجویز نہیں کی جاتی۔

ان تمام وجوہ سے یہ مجلس مطلق کثرت رائے سے طے کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ اور جو چیزیں اس میں معاون ہوں اور جو کام اسکو تقویت پہنچانے والے ہوں وہ سب آیت کریمہ میں مذکورہ "وفی سبیل اللہ" کے معنی میں داخل ہیں۔